

شاہ ولی اللہ
اور
اُن کے اصحاب

از
حکیم محمود احمد برکاتی

مکتبہ جامعہ دہلی

شاہ ولی اللہ
اور
اُن کے اصحاب

از

حکیم محمود احمد برکاتی

مکتبہ جامعہ دہلی
ملکیت جامعہ ملیہ



صدر دفتر

مکتبہ جامعہ لپیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی 110025

شاخیں

مکتبہ جامعہ لپیٹڈ، (ایرکنڈیشنڈ) بھوپال گراؤنڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی 110025

مکتبہ جامعہ لپیٹڈ - اردو بازار - جامع مسجد دہلی - 110006

مکتبہ جامعہ لپیٹڈ - پرنس بلڈنگ - ممبئی 400003

مکتبہ جامعہ لپیٹڈ یونیورسٹی مارکیٹ - علی گڑھ - 202002

اشاعت اول: ادارہ یادگار غالب، کراچی ۲۰۰۴ء

اشاعت دوم: ہندوستانی اوڈیشن مارچ ۲۰۰۶ء تعداد: 500 قیمت: 175/- روپے

لبرٹی آرٹ پریس (پروپرائٹرز: مکتبہ جامعہ لپیٹڈ) چنودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی ۲ میں طبع ہوئی

معروضہ

”ادارہ یادگار غالب“ کی زیر نظر تصنیف ایک ایسے وقت میں منظر عام پر آ رہی ہے جب ادارے نے اور اس کی غالب لائبریری نے اپنے ایک نئے دور کا آغاز کیا ہے۔ ادارے کی تاریخ کو اپنے قیام سے اب تک تین ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ۱۹۶۸ء سے جب یہ ادارہ قائم ہوا تو اس کے بانی معتمد عمومی مرزا ظفر الحسن کے انتقال (۱۹۸۴ء) تک یہ اپنے تشکیلی دور میں رہا۔ مرزا صاحب کے بعد اس کا اہتمام اس کی مجلس نظماء نے سنبھالا اور اس کے قریب قریب تمام امور مشفق خواجہ صاحب کی نگرانی میں انجام پاتے رہے اور وہی ادارے کے معاملات اور ”غالب لائبریری“ کے انتظامات انجام دیتے رہے۔ خواجہ صاحب کی رحلت (فروری ۲۰۰۵ء) کے بعد سے اس ادارے کا تیسرا دور شروع ہوا ہے۔ اور اس تیسرے دور کی یہ اولین اشاعت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

خواجہ صاحب نے اپنے دور میں ادارے کے علمی و اشاعتی منصوبوں میں بے حد دلچسپی لی اور کتابوں کے انتخاب اور ان کی ترتیب و اشاعت میں بڑی تندی اور جانفشانی کا ثبوت دیا۔ ان کے منتخب منصوبے افسوس کہ تمام تر ان کی زندگی میں منظر عام پر نہ آ سکے اور متعدد ایسے کام جو تکمیل کے آخری مراحل میں تھے ان کی رحلت کے بعد اب شائع ہو رہے ہیں۔ ادارے کی خواہش اور کوشش ہے کہ وہ تمام منصوبے یکے بعد دیگرے حتیٰ المقدور شائع ہو جائیں اور یہ سلسلہ اسی آب و تاب سے جاری رہے جو خواجہ صاحب مرحوم کی بھی خواہش تھی۔

زیر نظر تصنیف فاضل اجل حکیم ذاکر محمود احمد برکاتی صاحب کی محنت شاقہ کا نتیجہ ہے۔ حکیم صاحب اس کتاب کے موضوع پر ایک استاد کا درجہ رکھتے ہیں اور ان کی اس موضوع پر ایک سابقہ تصنیف ”شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان“ ہمارے علمی و تحقیقی ذخیرے میں بیش بہا اضافہ سمجھی گئی ہے۔ زیر نظر تصنیف میں حکیم صاحب نے اپنے اس موضوع کو مزید وسعت دی ہے اور نہایت وقیع اور ناگزیر مآخذ کی مدد سے بے حد اہم انکشافات کیے ہیں اور قیمتی معلومات کا خزانہ اہل علم کی خدمت میں پیش کیا ہے۔ ادارہ اس تصنیف کی اشاعت کو اپنے لیے اور اپنے اس نئے دور کے لیے فال نیک سمجھتا ہے۔

یقین ہے کہ قارئین اس کتاب سے خاطر خواہ استفادہ فرمائیں گے اور ادارے کے ساتھ تعاون کی اپنی روایت کو وسعت دیں گے۔

معین الدین عقیل

فہرست مضامین

۶	پیش لفظ
۷	سنین حیات شاہ ولی اللہ
۸	حیات شاہ ولی اللہ کے چند مآخذ
۱۰	تصانیف شاہ ولی اللہ
۱۳	تلامذہ و مسترشدین شاہ ولی اللہ
۱۶	چند خاص مآخذ
۲۳	شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان کی تحریرات میں تحریفات
۲۱	القول الجلی کی بازیافت
۵۸	شاہ ولی اللہ کے حالات، شاہ عبدالعزیز کی زبانی
۷۳	شاہ ولی اللہ کے فارسی اشعار
۸۵	تحریک ولی اللہی
۹۵	مدرسہ رحیمیہ
۱۰۶	مدرسہ رحیمیہ کا نصاب تعلیم
۱۱۲	شاہ الملک اللہ
۱۲۷	شاہ محمد عاشق

۱۳۶	تصانیف و تالیفات
۱۴۱	مشرق تحریریں
۱۴۶	شاہ محمد دہلوی
۱۴۹	شاہ عبدالعزیز
۱۵۷	شاہ رفیع الدین
۱۶۵	شاہ عبدالقادر
۱۶۷	شاہ عبدالغنی
۱۶۹	شاہ محمد اسحاق
۱۷۱	شاہ محمد یعقوب
۱۷۹	شاہ مخصوص اللہ
۱۸۳	شاہ محمد موسیٰ
۱۸۸	ملا عبدالقیوم
۱۹۲	شاہ محمد اسماعیل
۱۹۳	شاہ محمد عمر
۱۹۵	مولوی سید ظہیر الدین احمد
۲۰۳	مولوی سید عبدالغنی
۲۰۶	مولوی سید عبداللہ
۲۰۹	مولوی عبدالحمید سواتی
۲۱۲	کتابیات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی پر میرے چند مضامین کا مجموعہ پیش خدمت ہے، ان میں سے چند مضامین تازہ ہیں اور چند برسوں پہلے لکھے گئے اور شائع ہوئے تھے، لیکن اب وہ ترمیم و صحیح و اضافہ ہونے کے بعد شائع کیے جا رہے ہیں۔

حال ہی میں شاہ صاحب کی سب سے پہلی اور مستند سوانح حیات القول الخلی اپور ان کے مکاتیب کا مجموعہ شائع ہوئے ہیں، جن سے بہت سی نئی باتیں معلوم ہوئی ہیں، بہت سی غلط باتوں کی تصحیح ہوئی ہے، کئی جمل باتوں کی تحصیل معلوم ہوئی ہے۔ مثلاً میں نے ۱۹۶۵ء میں شاہ صاحب کے بڑے اور گم نام صاحب زادے شاہ محمد پر ایک مضمون لکھا تھا (ماہنامہ ”قاران“ کراچی ۱۹۶۵ء) جس میں شاہ محمد کے وجود پر ویسٹیش کی گئی تھی کہ شاہ صاحب کے چار نہیں پانچ صاحب زادے تھے اور شاہ محمد سب سے بڑے تھے لیکن موجودہ مضمون ان کے وجود پر استدلال کے بجائے ان کے حالات پر مشتمل ہے۔

ملا عبد القیوم بذعانوی (داماد شاہ محمد اسحاق) نے شاہ صاحب کے خاندان کے حالات پر مشتمل ایک تحریر الما کروائی تھی۔ ملا عبد القیوم کے خاندان کے ذی علم رکن احمد مصطفیٰ صدیقی نے اس تحریر کی مدد سے میرے کئی تصحیحات و اغلاط کی نشان دہی فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔ مولانا نور الحسن راشد کے ایک مضمون سے بھی میں نے استفادہ کیا ہے، میں ان کے لیے تشکر بڑا ہی ہوں۔

طالب علم

محمود احمد برکاتی

کراچی، ستمبر ۲۰۰۳ء

شاہ صاحب کے سنین حیات

ولادت ۱۱۱۲ھ/۱۷۰۳ء

ازدواج ۱۱۲۸ھ

فراغت درس، اجازت بیعت وارثاد ۱۱۲۹ھ

وفات والد ۱۱۳۱ھ

ناکام عزم سفر حج ۱۱۳۳ھ

سفر حج ۱۱۳۳ھ/ربیع الاول

مکہ معظمہ ۱۱۳۳ھ/۱۵/ذی قعدہ

مدینہ منورہ ۱۱۳۳ھ/ربیع الاول

تالیف المقدمۃ السنیہ ۱۱۳۳ھ

مکہ معظمہ ۱۱۳۳ھ/۱۵/شعبان

حج ثانی ۱۱۳۳ھ/ذی الحجہ

سفر مراجعت ۱۱۳۵ھ

ورود دہلی ۱۱۳۵ھ/۱۳/رجب

دہلی سے بھلت ۱۱۵۰ھ

بھلت سے دہلی ۱۱۵۹ھ/شعبان

بذہانہ عارضی انتقال سکونت ۱۱۷۳ھ

دہلی واپسی ۱۱۷۵ھ/۸/ذی الحجہ

وصال ۱۱۷۶ھ/بیمہ محرم الحرام

شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان کے سلسلے میں چند مآخذ

ابوالفیض کمال الدین محمد احسان	ابروضیۃ القیومیہ
شاہ غلام علی	مقامات مظہری
مطبوعہ ۱۸۹۱ء	منقب فخریہ
نواب غازی الدین خان	فخر الطالبین
مطبوعہ ۱۸۹۷ء	القول الجلی
۱۸۹۷ء	مقدمہ الخیر النیر
شاہ محمد عاشق	مکتوبات شاہ ولی اللہ
شاہ محمد عاشق	نادر مکتوبات (ترجمہ مکتوبات)
شاہ عبدالرحمن/شاہ محمد عاشق	شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات
نثار احمد فاروقی	مکتوبات مع مناقب امام بخاری
خلیق احمد نظامی	انفاس العارفین
مرتبہ خولجہ محمد امین ولی اللہی	مکتوبات المعارف
مطبع احمدی، دہلی	ملفوظات شاہ عبدالعزیز
مطبع احمدی، دہلی	وقیع عبدالقادر خانی
۱۳۰۴ھ	نیشن بند
مطبوعہ ۱۹۰۳ء	تصنیف رنگین
تالیف ۱۸۱۷ء	آثار الصنادید
مولوی عبدالقادر	بیان الجہن فی اسانید الشیخ عبدالغنی
مرزا علی لطف	محسن تربیتی
تالیف ۱۸۰۱ء/مطبوعہ ۱۹۰۶ء	
تالیف ۱۸۲۴ء	
تالیف ۱۸۳۶ء	
تالیف ۱۸۶۳ء	

کائنات عزیزی	نواب مبارک علی خاں	تالیف ۱۸۷۳ء
مقالات طریقت	عبدالرحیم ضیا	۱۸۷۳ء
ابجد العلوم	نواب صدیق حسن خاں	۱۸۸۰ء
اتحاف النبلا	نواب صدیق حسن خاں	۱۲۸۸ھ
المحطۃ بذکر الصحاح الستہ	نواب صدیق حسن خاں	۱۲۸۸ھ
حدائق الخفیہ	فقیر محمد جہلمی	۱۲۸۸ھ
تذکرہ علماء ہند	رحمان علی	۱۸۹۰ء
مقدمہ فتاویٰ شاہ عبدالعزیز	مرزا احمد بیگ دہلوی	مطبوعہ ۱۸۹۲ء
یادگار دہلی	سید احمد دہلوی	مطبوعہ ۱۹۰۳ء
خاتمہ تاویل الاحادیث	سید احمد دہلوی	
خاتمہ تکریم ہندی	سید احمد دہلوی	
حالات عزیزی	سید احمد دہلوی	
حیات عزیزی	رحیم بخش	۱۸۹۹ء
حیات ولی	رحیم بخش	۱۹۰۱ء
واقعات دارالحکومت دہلی	بشیر الدین احمد	۱۹۱۹ء
نزمیہ الخواطر	سید عبدالحی	
امیر الروایات		۱۹۲۵ء
الحقۃ الدہلویہ	عبدالوہاب دہلوی۔ مکہ معظمہ	۱۹۳۳ء
ماہنامہ "الفرقان" لکھنؤ، شاہ ولی اللہ نمبر ۱۹۴۰ء		
تصانیف مولانا عبید اللہ سندھی		
شاہ اسماعیل شہید پر تالیفات		
تصانیف مولانا غلام رسول مہر		

تصانیف وتالیفات

(۱) قمیسات الہیہ

(۲) حجۃ اللہ البالغہ

(۳) الخیر الکثیر

(۴) لمحات

(۵) سمعات

(۶) الطاف القدس

(۷) نفوس الحربین

(۸) ہوامح

(۹) فتح الرحمن

(۱۰) الطیب النغم

(۱۱) اعتصام الامین

(۱۲) القول الجمیل

(۱۳) مسطعات

(۱۴) انقاس العارفین

(۱۵) المقدمة السنیہ

(۱۶) المسوی

(۱۷) المصفی

(۱۸) قرۃ نعینین

- (۱۹) الفوز الکبیر
 (۲۰) فتح الخیر
 (۲۱) الانصاف
 (۲۲) عقد الجید
 (۲۳) شفاء القلوب
 (۲۴) مکتوب مدنی
 (۲۵) وصیت نامہ
 (۲۶) الحجۃ فی سلسلۃ الصحۃ
 (۲۷) الفضل البین فی السلسل من الحدیث التبی الامین
 (۲۸) حاشیہ لبس امر
 (۲۹) اسرار فقہ
 (۳۰) منصور
 (۳۱) تاویل الاحادیث
 (۳۲) الدر الثمین
 (۳۳) النوادر
 (۳۴) الارشاد الی مہمات الاسناد
 (۳۵) تراجم ابواب بخاری
 (۳۶) شرح تراجم ابواب بخاری
 (۳۷) الانتباه فی سلاسل اولیاء اللہ
 (۳۸) اتحاف النبیہ ما یتحتاج الیہ المحدث والفقہ
 (۳۹) البیدور البازغہ
 (۴۰) آشرف العین
 (۴۱) سرور اخر دن

(۴۲) از لہ الخفا

(۴۳) السر المکتوم

(۴۴) صرف میر منظوم

(۴۵) دانش مندی

(۴۶) فتح الودود فی معرفۃ الجود

(۴۷) عوارف

(۴۸) واردات

(۴۹) نہایات الاصول

(۵۰) الانوار المحمدیہ

(۵۱) فتح السلام

(۵۲) رد ورفض در رد گوہر مراد

(۵۳) کشف الانوار

درج بالا کتابوں میں سے نمبر ایک سے ۲۵ تک کتابوں کا ذکر شاہ محمد عاشق نے القول الجلی میں کیا ہے۔

۲۶ اور ۲۷ کے نام خود شاہ صاحب نے اپنی دو تحریروں میں لیے ہیں۔

(۱) اجازہ بنام شیخ چار اللہ (۲) اجازہ بنام شیخ محمد بن میر محمد

نمبر ۲۸ کا نام صرف شاہ عبدالعزیز نے لیا ہے۔ فتاویٰ ص ۲۸

نمبر ۱۲۹ اور نمبر ۳۰ کے نام سید محمد نعمان رائے بریلوی نے لیے ہیں۔

(مکتوب بنام شاہ ابوسعید رائے بریلوی)

نمبر ۳۱ سے ۳۵ تک کی کتابوں کے نام مذکورہ بالا مآخذ سے کسی میں نہیں ہیں مگر یہ

شاہ صاحب کی معروف اور مطبوعہ کتابیں ہیں۔

نمبر ۳۶ سے ۵۳ تک کتابوں میں نام صرف عبدالرحیم ضیاء نے مقالات طریقت

میں لیے ہیں۔

تلامذہ و مسترشدین مذکور در القول الجلی

مولوی محمد اعظم کشمیری ص ۷، ۱۳۳، ۲۶۹

شاہ نور اللہ چلتی ص ۳۳۹

محمد قطب رہنمائی ص ۳۴

مخدوم محمد معین تھوی ص ۳۹، ۲۵۷

حافظ عبدالرحمن (عبدالباقی) ص ۲۵۲

شیخ محمد عابد ص ۷۷

کمال الدین سندھی ص ۷۹

ہدایت اللہ سندھی ص ۸۳

سید محمد خاں سندھی ص ۸۸

خواجہ محمد امین ولی اللہ ص ۳۶۳

میر افضل ص ۱۱۱

خواجہ ابوالفضل کشمیری ص ۱۱۲

عبدالرحمن بن شاہ محمد عاشق ص ۱۱۹

عبدالرحیم قاسم بن محمد عاشق ص ۳۹۳

پتہ اللہ بن نور اللہ ص ۱۳۳

بابا عثمان کشمیری ۱۳۷

حافظ محمد تقی کشمیری ۱۳۳-۱۴۱

محمد مراد بدخشی ۱۵۸-۱۷۸

خواجه حبیب اللہ کشمیری ۱۶۱ -

عمر خان قصوری ۱۶۱

بابا فضل کشمیری ۲۶۵-۲۴۴

شاہ ابو سعید رائے بریلوی ۲۲۴

حکیم ابو الوفا کشمیری ۲۳۳

خواجه عبدالکیم ۱۵۵

محمد جواد ۲۵۹

محمد بیک ۲۶۲

میاں محمد شریف ۴۷۵

سید شرف الدین محمد ۴۷۵

شاہ محمد عاشق بھٹائی ۴۸۱

شاہ محمد بن شاہ ولی اللہ ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۶، ۲۶۷

شاہ عبدالعزیز ۲۵۸، ۲۶۳، ۲۶۴

شاہ رفیع الدین ۲۶۳

شاہ عبدالقادر بن شاہ ولی اللہ ۲۶۱

شاہ عبدالغنی بن شاہ ولی اللہ

شاہ اہل اللہ ۴۲۱

از دیگر مآخذ

قاضی ثناء اللہ پانی پتی، کلمات طبیات ص ۱۵۸، استقصاء الافہام، حامد حسین کٹوری

ص ۱۵۰

مولوی مخدوم لکھنوی، تذکرہ علماء ہند رحمان علی ص ۲۲۳

مولوی رفیع الدین مراد آبادی، حدائق الحقیقہ ص ۴۴۳، نزہۃ الخواطر ص ۱۸۲/۷

مولوی امین اللہ گمرہسوی، نزہۃ الخواطر ص ۷۵/۷، تاریخ مدرسہ عالیہ ص ۱۸۷

سید مرتضیٰ زبیدی بکرامی، اتحذہ الدحلویہ، عبد الوہاب دحلوی طبع مکہ

شیخ محمد بن پیر محمد بن ابی الفتح بکرامی اتحذہ الدحلویہ

میاں داؤد، فخر الحسن از مولانا فخر الدین

شیخ جارا اللہ، السوئی ص ۵۳ طبع مکہ

عبد الہادی، معارف اعظم گڑھ مولانا منظور الحسن برکاتی

مرزا احمد بیگ بن رستم بیگ، دمع الباطل از شاہ رفیع الدین دحلوی

مرزا رستم بیگ، مقالات طریقت ص ۲۴۷

ابراہیم آفندی، مکتوبات مع مناقب امام ص ۲۶

شاہ ولی اللہ کے چند خاص تلامذہ

مولوی محمد سعید

مولوی محمد سعید بن محمد ظریف خاں بن جان محمد بن یار محمد بن خواجہ احمد دہلوی، فقہ و

اصول و کلام کے فاضل۔

۲

ولادت افغانستان، طلب علم کے لیے دہلی آئے اور شاہ صاحب کا تلمذ اختیار کیا، شاہ صاحب کے ساتھ بی حج کو گئے اور طویل عرصے تک شاہ صاحب کے ساتھ رہے، شاہ صاحب کی وفات کے بعد نواب رحمت خان نے بریلی بلا لیا اور اپنے ولی عہد عنایت خاں کا استاد اور اتالیق بنادیا۔ اس طرح یہ بریلی ہی میں رہ پڑے۔ وہیں ۱۱۸۸ھ سے پہلے وفات پائی، نواب رحمت خان کے حادثے کے بعد مولوی محمد سعید کے پانچ لڑکے رام پور آ گئے ان میں سے ایک مولوی عبدالرحمن ان کے بیٹے عبدالعلی ان کے بیٹے عبدالغنی اور ان کے بیٹے حکیم نجم الغنی خاں (نام ورمصنف اور طیب)۔

مولوی عبدالصمد محدث

نصیر سے ۱۷۵۰ء کے قریب دہلی آئے اور شاہ ولی اللہ سے تحصیل علوم کی، وہاں سے لکھنؤ پہنچے (۱۱۹۱ھ میں لکھنؤ میں تھے) اور مدرسہ ریس کا آغاز کر دیا۔ نواب محبت خاں پر آخر عمر میں اتالیق ہو گئے تھے۔ نوے سال کی عمر میں انتقال کیا۔ ان کے صاحب زادے مولوی

غلام نبی تھے جو شاہ عبدالعزیز کے شاگرد تھے آغاز میں یہ بھی نواب محبت خاں محبت کے فرزندوں کے اتالیق تھے۔ ان کا عقد شیخ محمد حسن لکھنوی کی بیٹی سے ہوا تھا۔ مولوی غلام نبی آخر عمر تک مدریس میں مشغول رہے علماء فرنگی محل میں ان کا بڑا احترام تھا، حسن علی محدث کے مزار کے برابر مزار ہے۔ مولوی غلام نبی کے دو فرزند تھے محمد یوسف اور محمد یعقوب۔

حکیم محمد یعقوب لکھنوی نامی طبیب اور جھوائی ٹولے کے خاندان کے بانی ہوئے۔ ص ۳۵، ۳۶، ۳۷ تذکرہ خاندان عزیزی، از حکیم سید گل الرحمن۔

مخدوم محمد معین تنوی

ٹھٹھہ (سندھ) کے باشندے تھے، مولانا عنایت اللہ بن فضل اللہ سندھی سے حصول علم کے بعد دہلی آئے اور شاہ صاحب سے تلمذ اختیار کیا۔ سندھ واپس آ کر شیخ ابوالقاسم نقشبندی سے بیعت کی اور شاہ عبداللطیف سے فیض صحبت پایا۔ ص ۶/۳۵۲۔ زمزمہ الخواطر، القول الجلی ۳۹-۲۵۷

حاجی احمد

حاجی احمد بن ابی احمد محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ کے شاگرد اور مولانا فخر صاحب کے مرید تھے، طویل عرصے فیض محبت انھایا، سرج بھی کیا۔ ص ۶/۲۵۵۔ زمزمہ الخواطر۔

شرف الدین محمد حسینی دہلوی

سیدی بوہن کے نام سے معروف تھے، عالم اور محقق تھے دہلی میں ولادت ہوئی، عرصے تک شاہ صاحب کے ساتھ رہ کر فیض حاصل کیا، شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی سے بیعت تھے۔ متعدد تصانیف ہیں۔

(۱) القول الفصل فی ارجاع الفرع الی الاصل، تالیف ۱۱۶۳ھ

(۲) حاشیہ ہوامع (شاہ ولی اللہ)

(۳) الوسیلہ الی اللہ

(۴) نقادہ التصوف (اس پر شاہ ولی اللہ کی تقریظ ہے)

ماخذ: القول الجلی ۴۷۵-۴۷۶ نزہۃ الخواطر ۱۰۵/۶

مولانا قطب الدین شاہ جہاں پوری

شاہ صاحب کے شاگرد اور مرزا مظہر جان جاناں کے مسترشد تھے وفات ۴ ربیع

الاول ۱۱۹۷ھ (نزہۃ الخواطر ۲۳۳/۶)

خواجه محمد امین ولی اللہی

اصلاً کشمیری تھے، شاہ صاحب کے خاص اصحاب میں سے تھے، شاہ عبدالعزیز

کے استاد تھے، عجلۃ نافعہ میں ان کا ذکر ہے۔ شاہ صاحب نے اُن کے لیے بعض رسائل

تالیف کیے تھے، اُن کی ایک تالیف ”فوائد“ ہے، شاہ صاحب کے وصال کے بعد بھی دہلی

میں ہی رہے۔ وفات ۱۱۸۷ھ (القول الجلی ص ۶۲۴، نزہۃ الخواطر ۲۸۶/۶)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی

شاہ صاحب کے شاگرد تھے۔ وہ شاہ صاحب کے پاس تین سال سے زیادہ

عرصے تک مقیم رہے اور مصابح، بغوی مشکوٰۃ، المسوی، الفوز الکبیر، فتح الرحمن کا درس لیا، یہ

بات شاہ عبدالعزیز نے صحیح بخاری کے ایک نسخے کے آخر میں لکھی تھی جو قاضی صاحب کی

ملکیت تھا، اس تحریر میں شاہ عبدالعزیز نے ان کو روایت کی اجازت بھی دی ہے گویا یہ سند

حدیث بھی ہے، صحیح بخاری کا یہ نسخہ بعد میں مولانا حسن علی لکھنوی کی ملکیت میں آ گیا تھا قاضی

صاحب نے شاہ ولی اللہ سے اپنے تلمذ کا ذکر اپنے ایک مکتوب میں بھی کیا ہے (کلمات

طیبات ص ۱۵۱) قاضی صاحب اجتہاد کے باب میں شاہ ولی اللہ کے ہم مسلک تھے اپنی

کتاب مالا بدمنہ میں کئی جگہ ”فقیری گوید“ لکھ کر اپنے قول کو امام اعظم کے مسلک پر ترجیح دی

ہے شاہ عبدالعزیز نے انھیں ”نبیہتی وقت“ لکھا ہے۔

بابا فضل اللہ کشمیری

شاہ ولی اللہ جب اپنے مرض وصال میں ۹ رزی الحجہ ۱۱۷۵ھ کو بڈھانے سے دہلی گئے تو اپنے گھر کے بجائے بابا فضل اللہ کے مکان میں اترے جو مسجد روشن الدولہ کے احاطے میں چوک سعد اللہ خاں پر واقع ہے۔ (القول الجلی ۲۶۵)

مولانا ظہور اللہ مراد آبادی

شاہ عبدالعزیز نے اپنے ایک رسالے میں لکھا ہے کہ انھوں نے جامع ترمذی اور سنن ابن داؤد اپنے والد شاہ ولی اللہ سے بقرأت مولوی ظہور اللہ مراد آبادی پڑھی تھی۔ (نزہۃ الخواطر ۲۰۸/۷)

محمد جواد پھلتی

شاہ عبدالعزیز نے سنن ابن ماجہ شاہ ولی اللہ سے بقرأت مولوی محمد جواد پڑھی تھی۔ (نزہۃ الخواطر ۲۶۸/۷)

جار اللہ نزیل مکہ

شیخ جار اللہ بن عبدالرحیم من اہل فنجاب، مولانا عبید اللہ سندھی نے المسوئی کا مخطوطہ شاہ محمد اسحاق کے درثا سے حاصل کیا تھا اس پر یہ نام درج تھا (مقدمۃ المسوئی) شاہ عبدالعزیز نے مسلسلات اور جامع الاصول بقرأت مولوی جار اللہ نزیل مکہ پڑھی تھی (نزہۃ الخواطر ۲۶۹/۷)

غلام حسین صدنی

غلام حسین بن نور علی صدنی فرخ آبادی، ولادت صمدن، پہلے قنوج اور فرخ آباد

کے اساتذہ سے پھر لکھنؤ میں شیخ انوار الحق بن عبدالحق انصاری لکھنؤی سے تحصیل علم کی پھر دہلی پہنچ کر شاہ ولی اللہ سے درس لیا پھر بنگال چلے گئے اور وہاں عرصے تک تدریس و افتادہ میں مشغول رہے۔

تصانیف (۱) جنت الفردوس (جنت کا اثبات بدلائل عقلیہ) (۲) منتخب صحاح جوہری (۳) ریاض رضواں (۴) دیوان عربی و فارسی
وفات ۱۲۳۷ھ (ذہاکا) (تاریخ صدیقی از سید عبدالعزیز ص ۲۵۱)

سید مرتضیٰ زبیدی بلگرامی

ولادت ۱۱۳۵ھ حصول تعلیم اپنے وطن میں پھر سندیلہ، خیر آباد میں پھر دہلی پہنچ کر شاہ ولی اللہ سے پھر سورت پہنچ کر خیر الدین سورتی سے ۱۱۶۳ھ میں پھر جاز مقدس پھر زبید (بحمن) میں مستقل قیام، خود مرتضیٰ زبیدی نے اپنی ایک سند میں شاہ فاخر الہ آبادی اور شاہ ولی اللہ کا ذکر کیا ہے۔

تصانیف: تاج العروس شرح قاموس ۱۰ جلدیں۔ اس کے علاوہ ستر (۷۰) سے زیادہ کتابیں تالیف کیں، وفات ۱۲۰۵ھ (نزہۃ الخواطر ۷۸/۷۹)

نثار علی ظفر آبادی

نثار علی حسنی واسطی ظفر آبادی، تحصیل علم ملا برکت الہ آبادی وغیرہ سے کی پھر شاہ ولی اللہ سے چار سال تک درس لیا پھر وطن میں درس و افتادہ میں معروف ہو گئے محدث و فقیہ تھے اور مقولات میں خصوصاً حاکم تھا، وفات ۱۲۱۵ھ (نزہۃ الخواطر ۷۹/۸۰)

ہبیۃ اللہ نگر نہسوی

ولادت نگر نہر (پٹنہ، بہار) تعلیم اپنے والد مولانا سلیم اللہ نگر نہسوی سے حاصل کی پھر الہ آباد میں مولانا محمد قاسم الہ آبادی سے پھر دہلی پہنچ کر شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز سے

حاصل کی، مدرسہ عالیہ کلکتہ میں مدرس ہو گئے اور تاحیات وہیں رہے۔ وفات ۱۲۳۳ھ، مکی
تالیفات یادگار ہیں (تذکرۃ المتفلاص ۸۵، نزہۃ الخواطر ۷۸۵، تاریخ مدرسہ عالیہ ۱۸۷)

غلام حسین مکی

شاہ عبدالعزیز نے لکھا ہے کہ انھوں نے صحیح بخاری از ابتدا تا کتاب الحج اپنے
والد سے بقرأت سید غلام حسین مکی پڑھی تھی۔ (نزہۃ الخواطر ۷۲۶، ۷۲۸)

مولوی رفیع الدین مراد آبادی

رفیع الدین بن فخر الدین، ولادت ۱۱۳۳ھ/۱۷۲۱ء، تحصیل علم مولوی خیر الدین
سورتی اور شاہ ولی اللہ سے کی، شاہ عبدالعزیز سے مراسلت تھی، شیخ محمد غوث لاہوری سے
بیعت تھے، وصال ۱۲۱۸ھ/۱۸۰۲ء (حدائق الحنفیہ ۴۶۳، نزہۃ الخواطر ۱۸۲/۷، تذکرہ
رحمان علی ۱۹۷)

مخدوم لکھنوی

مخدوم بن حافظ محمد نواز، دادا مشہد سے دہلی آئے وہاں سے لکھنؤ منتقل ہو گئے، تحصیل علم ملا
نظام الدین سیالوی سے اور شاہ ولی اللہ سے کی، وفات ۱۲۲۹ھ/۱۳-۱۸۱۳ء، تذکرہ رحمان علی

میاں داؤد

مولانا فخر الدین دہلوی نے اپنی کتاب فخر الحسن میں لکھا ہے کہ شاہ ولی اللہ نے
اپنے شاگرد میاں داؤد کو جو سند حدیث دی ہے اس میں لکھا ہے اجزوت ان اخانا الصالح
الفاضل میاں داؤد روایۃ صحیح البخاری وغیرہ من الكتب الستة ومسند
الدارمی وکتاب مصابیح من قرأتی للبخاری وسماع الدارمی اجازۃ
الباقی مع قراۃ اوائلها علی الشیخ ابی طاہر محمد بن ابراہیم الکردی

المملنی بحق اجازتہ علی والدہ الشیخ ابراہیم الکردی“

نور اللہ پھلتی

نور اللہ بن معین الدین، ولادت بڈھانہ، وہیں ابتدائی تعلیم پھر دہلی میں شاہ ولی اللہ سے حصول فیض، شاہ عبدالعزیز نے فقہ کی کتابیں ان ہی سے پڑھیں، ان ہی کی صاحب زادی سے شاہ عبدالعزیز کی شادی بھی ہوئی، نور اللہ کے بیٹے بدیع اللہ ان کے بیٹے عبدالحی بڈھانوی، ان کے بیٹے عبدالقیوم بڈھانوی تھے، ملا عبدالقیوم شاہ اسحاق کے داماد تھے اور عبدالحی شاہ عبدالعزیز کے داماد تھے۔ نور اللہ کی وفات ۱۱۹۷ھ بڈھانہ میں ہوئی۔

بابا عثمان کشمیری

عثمان بن محمد فاروق بن شیخ محمد حسن، ابوہدائی تحصیل علم علاقے کے علماء سے پھر دہلی میں شاہ ولی اللہ سے کی، کشمیر جا کر خواجہ عبدالرحیم شیخ کمال سے استفادہ کیا (حدائق الحنفیہ ۱۳۵۸ القول الجلی ۱۳۷)

شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان کی تحریرات میں تحریفات

فتنہ تارا اور ”زوال ملک مستعصم“ سے ما قبل کے علماء اور مصنفین کی کتابیں نایاب اور ناپید ہو گئیں تو اس کا سبب ظاہر تھا اور اسی سبب کے زوال کی بنا پر مابعد فتنہ کے علماء و مصنفین میں سے پیش ترکی بیش تر کتابیں آج کہیں کہیں دستیاب ہیں۔

لیکن جو معاملہ شاہ ولی اللہ اور ان کے خان دان کی تالیفات کے ساتھ ہوا وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ کہا جاسکتا ہے کہ سقوط دہلی (۱۸۵۷ء) کے اثرات کو اس میں دخل ہوگا مگر یہ بات اس لیے قرین صحت نہیں ہے کہ ان حضرات کی تالیفات کی کمیابی، نایابی اور ان میں تحریفات کا سلسلہ تو سقوط دہلی سے پہلے ہی شروع ہو چکا تھا۔ ۱۸۳۳ء میں سید عبداللہ بن بہادر علی نے مطبع احمدی ہوگلی سے الفوز الکبیر شائع کی تو انھیں اس کتاب کا صرف ایک نسخہ ملا تھا جو اس بات کا ثبوت ہے کہ سقوط دہلی سے ۲۳ سال پہلے ہی شاہ صاحب کی کتابیں کمیاب تھیں، کیوں کہ سید عبداللہ اس خان وادے کے نیاز مندوں میں سے تھے اور ان کے اکابر حلقہ سے مراد اسم تھے۔ مطبع احمدی بھی صرف اسی حقے کی کتابوں کی اشاعت کے لیے قائم کیا تھا۔

شاہ صاحب کی کتابوں کی نایابی کا یہ عالم ہے کہ تقریباً ۱۲ رسائل و کتب ایسے ہیں جن

کے صرف ناموں ہی کی حد تک دنیا ان سے واقف ہے۔ آج تک لم سے لم خاکسار کے علم میں ان کتابوں کا کوئی مخطوطہ نہیں ہے۔

(۱) فتح الردود فی معرفۃ الجود (۲) شفاء القلوب (۳) عوارف (۴) نہایات الاصول (۵) الانوار المحمدیہ (۶) فتح السلام (۷) کشف الانوار (۸) اسرار فقہ (۹) منصور (۱۰) حاشیہ رسالہ لبس احمر (۱۱) دعاء الاعتصام (۱۲) انتخاب فی سلسلہ الصحبہ۔

شاہ صاحب کے مصنفات کو تالیف کر کے دوسرا قدم یہ اٹھایا گیا کہ اپنے مصنفات کو شاہ صاحب کی طرف منسوب کر دیا اور اپنے نظریات کی تبلیغ شاہ صاحب کے نام سے کی گئی۔

(۱) ابلاغ المبین، پہلی بار ۱۳۰۷ھ مطبع محمدی لاہور سے ایک اہل حدیث عالم مولانا فقیر اللہ نے شائع کی۔

(۲) تحفۃ الموحدین، سب سے پہلے ایک اہل حدیث بزرگ حاجی عبدالغفار دہلوی (علی جان والے) نے شائع کی۔

(۳) اشارہ مسترہ، پہلی بار مولوی فضل الرحمن استاذ جامعہ ملیہ دہلی نے ۱۹۳۶ء میں مکتبہ عربیہ قریول باغ دہلی سے شائع کیا تھا۔

(۴) قول سدید کے نام سے بھی ایک رسالہ شاہ صاحب کے نام سے شائع ہوا ہے، جس میں عدم تقلید کی تلقین و تائید کی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بھی اہل حدیث حضرات نے ہی شائع کیا ہوگا۔

مندرجہ رسائل میں اہل السنۃ والجماعت کے نظریات سے متضاد نظریات اور وہ متشددانہ افکار پیش کئے گئے ہیں جن کو یہ حضرات ”تمسک بالکتاب والسنۃ“ کا نام دیتے ہیں اور جو کتاب تو حدیث کی بازگشت ہیں۔ اس طرح شاہ صاحب سے احناف کو جن کی برصغیر میں اکثریت ہے بدظن اور دور کرنے کی کوشش کی گئی۔

ایک دوسرے فرقے ارباب تشیع نے ایک دوسرے پہلو سے یہی کوشش کی اور شاہ صاحب کی طرف دو ایسی کتابیں منسوب کیں جو ان کے تاریخی اور کلامی مسلک سے متناقض ہیں۔

(۱) قرۃ العینین فی ابطال شہادۃ الحسنین (۲) جنت العالیہ فی مناقب المعادیہ۔ مرزا علی لطف نے اپنے تذکرہ شعر انگشت لہند میں ان دونوں کتابوں کے نام لکھے ہیں۔ گلشن ہند ۱۸۰۱ء کی تالیف ہے، گویا شاہ صاحب کی وفات کے ٹھیک چالیس سال بعد ہی سے یہ سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ مولوی محبوب علی دہلوی لکھتے ہیں، ”شاہ ولی اللہ پر افسیوں نے تہمت اور بہتان کیا کہ اس نے رد شہادت حسین کا کیا ہے۔“ مکمل رسائل و کتب تصنیف کر کے شاہ صاحب کی طرف منسوب کر دینے کے علاوہ ایک ہلاکت خیز حرکت یہ کی گئی کہ شاہ صاحب کی تالیف میں جاوے جا کر ترمیم و اضافہ و تحریف بھی کر دی گئی۔

(۱) تاویل الاحادیث کی تازہ اشاعت مرتبہ مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی شائع کردہ شہرہ دولی اللہ اکادمی حیدرآباد سن ۱۹۶۷ء کے مقدمہ میں ایک عجیب اختلاف نسخ کی نشان دہی کی گئی ہے اور شق قر کے سلسلہ میں شاہ صاحب کے منقولہ نقطہ نظر کے سلسلے میں یہ انکشاف ہوا ہے کہ شاہ صاحب نے وہ ایک دوسرے عالم کا قول نقل کیا ہے مگر عام متداول و مطبوعہ نسخے میں مقولہ رد گیا۔ اور قائل کا نام حذف ہو گیا یہ بدنام اور نشانہ اعتراض بنانے کی سازش نہیں ہو سکتی؟

(۲) جمعات، حیدرآباد سندھ سے ۱۹۶۴ء میں طبع ہوئی ہے۔ اس کے حواشی کے اختلاف نسخ سے انداز ہوتا ہے کہ اس رسالے کے مطبوعہ و مخطوطہ نسخوں میں نمایاں اختلافات ہیں۔

(۳) عقد الجید کا اردو ترجمہ مولانا محمد احسن نانوتوی نے سلف مرواریہ کے نام سے ۱۳۰۹ھ میں شائع کیا تھا۔ اس رسالے کے آخری اوراق میں ایک جگہ فتح القدر کا اقتباس ہے۔ اس پر حاشیے میں مولانا محمد احسن لکھتے ہیں:

”قلمی نسخے میں انجام اس رسالے کا اس نقطہ پر ہے فتح القدر کی بات آخر کتاب تک اس (نسخے) میں نہیں ہے۔ معلوم نہیں خود مولف نے بعد کو بڑھائی یا کسی اور نے۔“ (ص ۸۹)

یہی معاملہ شاہ صاحب کے اخلاف و راسم کی تالیفات کے ساتھ آیا گیا۔

شاہ عبدالعزیز کا تحفہ اشاعت عشریہ شائع ہونے کے بعد ایک صاحب نے لکھنؤ سے انھیں خط لکھا جس میں تحفہ کے بعض ایسے الفاظ و عبارات کا حوالہ دیا جو شاہ صاحب نے لکھے ہی نہیں تھے۔

چنانچہ شاہ عزیز نے اس خط کے جواب میں تحریر فرمایا:

”وتمريضات در باب معاد یہ رضی اللہ عنہ از فقیر واقع نہ شدہ اگر در نسخہ از تحفہ اثنا عشریہ یافتہ شود الحاق کسے خواہد بود کہ بتاثر فتہ انگیزی و کید و مکر کہ بناء مذہب ایشان یعنی گروہ روضہ از قدیم بر ہمیں امور راست ایں کار کردہ باشد چنانچہ بسمع فقیر رسیدہ کہ الحاق شروع کردہ اند۔“

”اور حضرت معاد یہ رضی اللہ عنہ پر چوتھیں میں نے نہیں کیں۔ اگر تحفہ اثنا عشریہ کے کسی نسخہ میں ایسی عبارتیں ہیں تو وہ کسی نے اپنی طرف سے بڑھادی ہوں گی کیونکہ روضہ کے مذہب کی بنیاد شروع ہی سے فتہ انگیزی اور مکر و کید پر ہے۔ یہ کام بھی انھوں نے ہی کیا ہوگا۔ چنانچہ میں نے سنا ہے کہ تحفہ میں بھی انھوں نے الحاق شروع کر دیا ہے (جس کا ثبوت آپ کا یہ خط بھی ہے)۔“

(۲) مولوی سید احمد ولی اللہی نے شاہ عبدالعزیز کے ملفوظات مطبوعہ میرٹھ کو جعلی بتایا ہے (انفاس العارفين صفحہ آخر) ہماری ناقص رائے میں مولوی سید احمد کی یہ رائے کلیتہً تو صحیح نہیں ہے، ملفوظات شاہ صاحب کے ہی ہیں مگر ان میں الحاق ضرور ہوا ہے اور بعض فحش اشعار اور فحش واقعات درج کر دیئے گئے ہیں۔

(۳) تفسیر فتح العزیز کے متعلق بعض حضرات کی رائے ہے کہ یہ تفسیر مکمل ہے مقالات طریقت میں اس سلسلے میں دور و ایتیں تحریر کی گئی ہیں پہلی یہ کہ مولوی یار محمد صاحب نے آپ کے درس قرآن کے کئی دوروں پر اپنے مصنف پر حواشی لکھ لیے تھے۔ وہ ان کے فرزند مولوی محمد اسحق صاحب کے پاس موجود ہیں۔ دوسری روایت ”حاجی محمد حسین صاحب سہارنپوری سلمہ تعالیٰ مولوی نور اللہ صاحب سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کی ایک تفسیر فارسی تمام قرآن مجید کی اکبر آباد کے قاضی کے یہاں موجود ہے مگر وہ چھپی نہیں۔“ (ص ۳۰-۳۳)

(۴) حال ہی میں کتب خانہ رام پور سے موسیقی پر ایک مخطوطہ برآمد ہوا ہے کتاب کا نام ہے ”سائیکیت شاستر“ مصنف ہیں ”شاہ عبدالعزیز دہلوی“۔ مخطوط کے کاتب اور واحد راوی

ہیں ایک ہندو منشی کمن لال اشکی! جناب عضد الدین خاں صاحب نے معارف اعظم گڑھ (جلد ۳ شمارہ ۹۶ ستمبر ۱۹۶۵ء) میں اس مخطوط کا تعارف کرایا ہے اور اس مخطوط کی نسبت شاہ محدث کی طرف تسلیم کر لی ہے۔ مگر ہماری عقیدت نے ابھی تک یہ امتساب گوارا نہیں کیا۔

شاہ ولی اللہ کے دوسرے فرزند شاہ رفیع الدین نے اردو، فارسی اور عربی میں متعدد رسائل و کتب تالیف فرمائیں، مگر ان میں سے متعدد ابھی تک مخطوط صورت میں برصغیر کے صرف دو ایک کتاب خانوں میں پائے جاتے ہیں۔ کئی رسائل و کتب کا نام کے سوا کوئی نشان نہیں ملا۔

تحریف کا نشانہ بھی شاہ صاحب کی تالیفات ہوئیں۔ شاہ صاحب کا اردو ترجمہ قرآن کئی بار شائع ہو چکا ہے۔ قرآن مجید کا مکمل ترجمہ ہے۔ مگر عبدالرحیم ضیا کا بیان ہے کہ: ترجمہ قرآن تحت لفظی بعض کہتے ہیں کہ آپ نے شروع کیا تھا مگر ناقص رہا دوسروں نے تمام کر کے آپ کے نام سے شہرت دی۔ (مقالات طریقت ص ۱۸)

شاہ رفیع الدین صاحب نے فارسی میں ایک رسالہ تنبیہ الغافلین کے نام سے لکھا تھا، ایک نو مسلم منشی بنی نارائن جہاں لاہوری نے اس رسالے کا اردو ترجمہ کیا تھا۔ سید عبداللہ بن بہادر علی (صاحب مطبع احمدی ہوگلی) کا بیان ہے کہ یہ ترجمہ بے محاورہ تھا اور ترجمہ آیات کلام اللہ بھی غلط تھا، لیکن خود سید عبداللہ نے جو ترجمہ ۱۸۴۰ء میں کیا تھا اس کے لیے خود ان کا بیان ہے کہ اس میں آیات واحادیث قصص کا اضافہ کیا ہے۔ اس سے پہلے یہ رسالہ کسی صاحب نے اپنے نام سے شائع کر دیا تھا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ تنبیہ الغافلین کے تالیف شاہ رفیع الدین ہونے کا علم ہی دنیا کو صرف منشی جہاں لاہوری کے حوالے سے ہے۔ ۱۱

شاہ ولی اللہ کے تیسرے فرزند شاہ عبدالقادر کے ایک اردو رسالے تقریر الصلوٰۃ کا مولوی سید عبدالحی نے ذکر کیا ہے مگر اس رسالہ کا وجود تو دور کنارا اس کا نام بھی مولوی عبدالحی کے سوا کسی اور نے نہیں کیا۔ ۱۱

شاہ صاحب نے قرآن کریم کا جو اردو ترجمہ کیا تھا، اس کا سب سے پہلا ایڈیشن سید عبداللہ نے مطبع احمدی ہوگلی سے ۱۸۳۸ء میں شائع کیا تھا مگر یہ ترجمہ موضح القرآن کے نام سے

اور اضافات کے ساتھ ۷-۱۳۰۸ھ میں دہلی سے شائع کیا گیا۔ مشہور اہل حدیث عالم میاں نذیر حسین کے داماد سید شاہ جہاں نے اس پر تقریباً لکھی تھی اور اس کے ملنے کا پتہ بھی ”مدرسہ میاں نذیر حسین“ تھا۔ مولوی سید احمد ولی اللہی نے انھیں العارفین کے صفحہ آخر پر جن جعلی کتابوں کی نشان دہی کی تھی ان میں تحت الموحدين، البلاغ المبین وغیرہ کے ساتھ ”تفسیر موضح القرآن مطبوعہ خادم الاسلام دہلی منسوب بہ طرف مولانا شاہ عبدالقادر صاحب مرحوم بھی تھی۔

مجلہ نقوش لاہور (اپریل ۱۹۶۵ء) میں ایک احمدی قلم کار شیخ اسماعیل پانی پتی نے موضح القرآن کا مقدمہ شائع کیا تھا۔ یہ مقدمہ عام متداول مقدمے سے سراسر مختلف ہے۔ پانی پتی صاحب کا بیان ہے کہ یہ مقدمہ انھیں حکیم نور الدین بھیرودی کے کتب خانے سے دستیاب ہوا ہے۔ یاد رکھیے کہ آں جہانی حکیم پہلے اہل حدیث تھا پھر احمدی اور خلیفۃ المسیح ہو گیا تھا۔ اللہ اللہ!

کس کی مہر ہے سر محضر گئی ہوئی

شاہ ولی اللہ کے ابا نای نہیں اتحاد بھی تحریف و ترمیم اور غلط انتساب کا ہدف بنے۔ شاہ صاحب کے حنفی شہیر شاہ اسماعیل کی طرف ایک کتاب تویر العینین فی رفع الیدین منسوب ہے۔ مولوی کریم اللہ کا بیان^{۱۳} ہے کہ ایک رسالہ تویر العینین بعض آدمیوں نے ان کی شہادت کے بعد ان کا کر کے شائع کیا۔

شاہ اسماعیل کی مشہور کتاب تقویت الایمان کے متعلق سید احمد شہید کے خلیفہ پیر مرتضیٰ خاں رام پوری نے دافع الفساد و التکلیف العباد میں لکھا ہے کہ اس میں تحریف کی گئی ہے۔

شاہ صاحب کے رسالہ در شرک کے متعلق محسن تربیتی نے لکھا ہے کہ تحریف کی گئی ہے۔^{۱۵} شاہ صاحب کا رسالہ منصب امامت ناقص لا آخر ہے۔ یہی حال ایضاً الحق المصرح فی احکام المیت والضرع کا ہے وہ بھی ناقص ہے۔

شاہ عبدالعزیز کے نو اسے اور جانشین شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی کی طرف دو کتابیں منسوب ہیں، مسائل اربعین اور مآۃ مسائل۔ ہم نے اپنی کتاب ”حیات شاہ محمد اسحق“ میں بدلائل ثابت کیا ہے کہ ان دونوں کتابوں کی نسبت شاہ صاحب کی طرف صحیح نہیں ہے۔ شاہ صاحب کے

حواشی

۱۔ کتب نمبر ۱ سے نمبر ۷ تک کے نام مقالات طریقت میں ہیں۔ کتب نمبر ۸، نمبر ۹ کے نام کتب سید محمد نعمان (مکتوبات العارف) میں ہیں۔ کتاب نمبر ۱۰ کا نام شاہ عبدالعزیز کی ایک تحریر (مجموعہ فتاویٰ) میں ہے۔ نمبر ۱۱ کا ذکر بھی فتاویٰ میں ہے۔ نمبر ۱۲ کا نام خود شاہ صاحب کی اپنی ایک سند عطا کردہ شیخ جبار اللہ میں ہے۔

۲۔ پروفیسر محمد ایوب قادری وصایا اربعہ

۳۔ حیات ولی طبع اول اکل المطابع صفحہ آخر ۱۹۰۲ء۔

۴، ۵۔ وصایا اربعہ، پروفیسر محمد ایوب قادری۔

۶۔ مطبوعہ انجمن ترقی اردو ہند حیدر آباد دکن، م ۲۳-۱۹۰۶ء مرتبہ مولانا شبلی نعمانی

۷۔ تنبیہ الضالین ص ۱۲۸

۸۔ فضائل صحابہ و اہل بیت (مع مقدمہ پروفیسر محمد ایوب قادری) طبع لاہور۔

۹۔ ملفوظات پر ہمارا مضمون (شاہ ولی اللہ کے حالات شاہ عبدالعزیز کی زبان) ملاحظہ ہو۔

۱۰۔ مقالات طریقت ص ۳۰، ۳۳

۱۱۔ حبیہ الغافلین کے سلسلے میں تمام تفصیل مولانا عبدالکلیم چشتی کے ایک محققانہ مقالہ سے ماخوذ ہے۔ ماہنامہ رنات

کراچی رمضان ۱۳۸۳ھ

۱۲۔ تالکات الاسلامیہ فی الزندج بیروت ص ۱۱۸۔

۱۳۔ حبیہ الضالین ص ۸۷

۱۴۔ ملفوظ طبع محمدی نوٹک ص ۹۶ و ۱۱۴

۱۵۔ المباحث الجنسی ص ۷۶

۱۶۔ مظاہر حق ص ۳

”القول الجلی“ کی بازیافت

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی اولین اور مستند سوانح حیات خود ان کی حیات میں شاہ محمد عاشق پھلتی نے مرتب کی تھی اور شاہ صاحب کی نظر سے بھی یہ کتاب گزر چکی تھی اور ان کی ہدایت کے مطابق اس میں اضافات بھی کیے گئے تھے۔ اور اپنی خود نوشت (الجزء طیف فی ترجمۃ العبد الضعیف) میں شاہ صاحب نے اس کی تصدیق و تصویب بھی فرما دی تھی اور اس طرح یہ کتاب شاہ صاحب کی نہ صرف اولین بلکہ مستند اور معتبر سوانح حیات تھی۔

القول الجلی فی ذکر آثار الولی کچھ عرصہ متداول بھی رہی۔ نواب صدیق حسن خاں نے ۱۸۸۰ء میں اس سے لفظا و اقتباس کیا تھا^۱ اور ۱۸۹۰ء میں مولوی رحمن علی نے اپنے مآخذ میں اس کا نام لیا تھا^۲ مگر اس کے بعد یہ کتاب بے نشان ہو گئی اور تقریباً ایک صدی تک بے نشان رہی۔ کسی مورخ اور مصنف نے اس کا حوالہ نہیں دیا۔

حیات ولی کے مصنف مولوی رحیم بخش کو بھی یہ کتاب دستیاب نہیں ہو سکی تھی۔ کسی نجی یا عام ذخیرہ کتب میں بھی اس کے وجود کا سراغ نہیں مل رہا تھا۔ ۱۹۷۸ء میں جناب خلیق احمد نظامی نے یہ مژدہ سنلیا کہ خانقاہ کاکوری کے ذخیرہ کتب میں اس کتاب کا مخطوطہ شناخت اور دریافت کر لیا گیا ہے۔^۳ بعد میں خدا بخش اور نیشنل پبلک لائبریری (پٹنہ) میں بھی اس کے ایک نامص الاوّل مخطوطے کا سراغ مل گیا۔

خانقاہ کاکوری میں اس مخطوطے کے وجود کی خبر سن کر جب خاکسار نے جناب مولانا مجتبیٰ حیدر علوی سے اپنے اور دوسرے بہت سے اہل علم کے اشتیاق اور مطالعے کے

لیے بے تابی کا ذکر کر کے اس کی طباعت کی درخواست کی تو معلوم ہوا کہ ان کے فاضل فرزند جناب مولانا تقی انور علوی نے اس کا ترجمہ اردو کر لیا ہے۔ اب کتاب طباعت کے مرحلے میں ہے بالآخر ۱۹۸۸ء میں القولی النجفی کا اردو ترجمہ ہمارے ہاتھوں میں تھا، پھر اس کے کچھ دن بعد ہی جناب مولانا ابوالحسن زید فاروقی نے اصل مخطوطے کا مصورہ شائع فرمادیا۔

شاہ صاحب کی شخصیت کی عظمت کی بنا پر ان کی یہ مستند اور مفصل سوانح حیات بڑی اہمیت کی حامل ہے اور اس کی گمشدگی جتنی صبر آزما اور حیران کن تھی اب اس کی بازیافت اور طباعت اتنی ہی دل خوش کن ہے۔ کتاب جن حقائق پر مشتمل ہے وہ نہ صرف نئے بلکہ چونکا دینے والے بھی ہیں۔ ایک طرف اس میں شاہ صاحب کے سوانح کے سلسلے میں معلومات میں اضافہ اور اب تک کی معلومات کی تصحیح ہوئی ہے وہ اس تصویر سے مختلف ہے جس نے اب تک ہماری نگاہیں آشنا ہیں اور شاہ صاحب کے کلامی و فقہی مسلک اور انداز فکر کے متعلق اب تک ہمارا جو تاثر رہا ہے کتاب کے مطالعے کے بعد ایک طبقہ کے لیے شاہ صاحب کی شخصیت میں جاذبیت بڑھ جائے گی تو دوسرے طبقے کو شاہ صاحب سے اپنی نسبت خاطر اور وابستگی پر نظر ثانی کی ضرورت محسوس ہوگی۔

القول النجفی کے بالاستیعاب مطالعے کے بعد اس کے مخطوطے کی نایابی اور گمشدگی کا راز بھی سمجھ میں آ جاتا ہے۔ آئیے کتاب پر ایک نظر ڈالیں۔

تعارف مؤلف:

پہلے اس کے مؤلف سے متعارف ہوئیں۔

کتاب کے مؤلف شاہ محمد عاشق پھلتی ہیں جو شاہ صاحب کے میرے بھائی تھے، ان کے والد شاہ عبید اللہ، شاہ صاحب کے حقیقی ماموں تھے اور ان کے دادا شاہ محمد، شاہ صاحب کے حقیقی نانا شاہ عبدالرحیم کے خسر تھے۔

وہ شاہ صاحب کے نسبی بھائی بھی تھے۔ شاہ صاحب کا پہلا عقد ان کی حقیقی بہن سے ہوا تھا جن کے وطن سے شاہ صاحب کے سب سے بڑے فرزند شاہ محمد اور ان کی دو بہنیں

تھیں انہیں شاہ صاحب سے مصاہرت کا تعلق بھی تھا۔ ان کے دو فرزندوں شاہ عبدالرحمن اور شاہ عبدالرحیم فائق کے عقد علی الترتیب شاہ صاحب کی دو صاحبزادیوں (امتہ العزیز اور فرخ بی) سے ہوا تھا۔

وہ شاہ صاحب کے شاگرد بھی تھے (القول الجلی ص ۴۸۶) وہ شاہ صاحب کے رفیق درس بھی تھے۔ شیوخ جاز سے صحیح بخاری اور سنن دارمی کے درس میں شاہ صاحب کے شریک رہے (القول الجلی ص ۴۹۱) وہ شاہ صاحب کے مستر شد بھی تھے۔ انہوں نے شاہ صاحب سے دوران طلب علم ہی میں بیعت کر لی تھی (ص ۴۸۶) اور مسجد الحرام میں میزاب رحمت کے نیچے بیعت ثانیہ کی تھی۔ (ص ۴۹۱)

شاہ محمد عاشق کی ولادت ۱۱۱۰ھ میں پھلت (ضلع مظفر نگر، اتر پردیش، بھارت) میں ہوئی تھی۔ یوں وہ شاہ صاحب سے چار سال بڑے تھے۔ مستقل قیام پھلت میں ہی رہا مگر تحصیل علوم کے عہد کے علاوہ بھی بکثرت دہلی آتے جاتے رہتے تھے خصوصاً شدید مجبوری کے سوا ہر سال ماہ صیام میں دہلی میں آتے اور شاہ صاحب کے ساتھ معتمد رہتے تھے۔ شاہ صاحب سے مسلسل مراسلت کرتے رہتے تھے۔ شاہ صاحب کے مسودات کی تمییز ہی نہیں بلکہ ان کے متفرق شذرات کی جمع و ترتیب بھی وہ عمر بھر بڑے اہتمام اور ذوق و شوق سے کرتے رہے۔ شاہ صاحب جو مکاتیب خود ان کے اور دوسرے حضرات کے نام لکھتے تھے انہیں حاصل کر کے حفاظت سے رکھتے تھے۔ مختصر یہ کہ شاہ محمد عاشق، شاہ ولی اللہ کے عاشق تھے اور ان دونوں کو باہم وہی نسبت خاطر تھی جو حضرت نظام الدین اور امیر خسرو کے درمیان تھی۔ شاہ صاحب بھی دوسرے اعزہ اور متوسلین کے مقابلے میں ان سے خصوصی محبت کرتے تھے۔ کہیں ان کو "اعز اخوان واجلہ خلان" لکھا ہے، کہیں سجادہ نشین اسلام کرام، کہیں وعاء علمی وحافظ اسراری و ناظور کتبی والباعث علی التسوید اکثر منها والمباشر لتبیینہ (میرا ظرف علم، میرے اسرار کے امین، میری کتابوں کے مگراں، میری اکثر کتابوں کے سبب تالیف، میرے مسودات کو صاف کرنے

والے) لکھا ہے۔

شاہ صاحب نے خود بھی کئی کتابیں تالیف کیں جو افسوس ہے کہ اب تک سب کی سب غیر مطبوعہ ہی نہیں بنایا بھی ہیں۔

۱۔ شاہ صاحب کی اخیر الکثیر کی شرح۔

۲۔ درایات الاسرار۔

۳۔ شرح اعتصام الامین

۴۔ کشف الحجاب

۵۔ تذکرۃ الواقعات

۶۔ سبیل الرشاد

۷۔ مکاتیب شاہ ولی اللہ

۸۔ القول الجلی فی ذکر آثار الولیؒ

القول الجلی:

القول الجلی، شاہ صاحب کی حیات ہی میں مرتب ہو گئی تھی اور ۱۱۶۲ھ میں اس کے پہلے دو باب مکمل ہو چکے تھے (ص ۶۹۳) تیسرا اور آخری باب بعد میں تحریر کیا گیا اور پہلے باب میں شاہ صاحب کے وصال کی فصل کا اضافہ، حادثہ، وفات ۱۱۷۶ھ کے بعد کیا گیا۔ کتاب کے استناد کے متعلق مؤلف کا بیان ہے کہ:

”یہ چیز دریں رسالہ بقید قلم نیاوردہ مگر کہ برآں جناب مکرر عرض شدہ

وبشراف اصلاح نیافتہ“ (ص ۴)

”اس رسالے میں کوئی چیز ایسی نہیں لکھی گئی جسے شاہ صاحب جانے ملاحظہ نہ فرمایا ہو اور اصلاح نہ فرمائی ہو۔“

اور خود شاہ صاحب نے اپنی خود نوشت میں اس کی تصدیق و تصویب فرمائی ہے:

”بعض اعز اخوان واجلہ خلان تفصیل آں واقعات باوقائع دیگر

دور سالہ مضبوط نمودہ اندوآں راہِ قولِ جلی مسکی کردہ اند جزاۃ اللہ خیر
الجزاء و احسن الیہ والی اسلاف و اعتقاد و ادخل الی ماتمناہ من دینہ و دنیا“
(ص ۹۳)

”ایک عزیز ترین بھائی اور محترم دوست نے ان باتوں اور میرے
دوسرے حالات زندگی کو ایک رسالے میں جمع کر دیا ہے اور اس کا نام
قولِ جلی رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں بہتر جزا دے اور ان کے بزرگوں
اور اخلاف کے ساتھ اچھا معاملہ فرمائے اور ان کی دین اور دنیا کی
خواہشوں کو پورا کرے۔“

کتاب تین اقسام (ابواب) پر مشتمل ہے:

۱۔ شاہ صاحب کے سوانح (ص ۲۷۹ تا ۲۸۷)

۲۔ شاہ صاحب کے ارشادات (ص ۲۸۷ تا ۳۶۶)

۳۔ تلامذہ و مفسرین کے تراجم و فضائل (ص ۳۶۶ تا ۴۹۸)

ان میں سے پہلے دو باب ہی اہم اور اصل ہیں اور ۳۶۶ صفحات پر محیط ہیں
تیسرے باب کو خود مؤلف نے بمنزلہ ذیل قسم اول قرار دیا ہے اور ۱۳۲ صفحات کا ہے۔
اضافات:

القول الخلی سے شاہ صاحب کے سوانح کے سلسلے میں بہاری معلومات میں
جو اضافات ہوئے یا اب تک کی معلومات کی جو تصحیح ہوئی ہے ذیل میں اختصار کے ساتھ ان
کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱)

شاہ صاحب کی والدہ (شاہ عبدالرحیم کی دوسری بیوی) کا نام فخر النساء تھا اور وہ
”بعلم شریعت از تفسیر وحدیث عالمہ دیا داب طریقت متاد بہ باقیم حقیقت عارفہ وبصدا ان
اسم خود فخر النساء بودند و دریں معنی از بس از رجال سبقت نمودہ“ (ص ۶)

(۲)

شاہ صاحب نے اپنے معلوم سفر حج سے پہلے بھی ایک بار حج کے ارادے سے سفر اختیار کیا تھا مگر کھنایت سے لوٹ آئے تھے۔ بیس سال کی عمر میں ۱۱۳۳ھ میں ہی غالباً جذب کی یہ کیفیت میں سفر حج کا عزم کر لیا تھا۔ والدہ تک سے حج کے بجائے تو رہنے کے طور پر کسی دوسرے (قریبی) مقام کا نام لیا تھا اور زاہد راہ کی فکر کیے بغیر بے سروسامانی کے عالم میں نکل کھڑے ہوئے تھے اور کئی اصحاب طریقت بھی ساتھ ہو گئے تھے جنہیں لے کر پیدل روانہ ہو گئے تھے۔ راجپوتانہ (راجستھان) کے راستے احمد آباد ہوتے ہوئے کھنایت پہنچ گئے جہاں سے جہازوں کے ذریعے روانہ ہونا تھا مگر وہاں ایک اشارے کی بنا پر فتح عزم کر کے واپس گھر تشریف لے آئے تھے (ص ۲۵-۲۷) اس سفر پر روانہ ہوتے وقت شاہ صاحب کے پاس تین چار روپے سے زیادہ نہیں تھے۔ رفقاء بھی تہی کیسہ تھے، اتنا طویل سفر درپیش تھا مگر ایک وقت بھی فاقہ کی نوبت نہیں آئی بلکہ شاہ صاحب اور ان کے ہم سفر اصحاب مستقل طور پر اٹلی درجے کی غذا استعمال کرتے رہے۔

شاہ صاحب کے توکل کا یہ عالم تھا کہ رفقاء سفر اگر کفایت کے پیش نظر کم درجے کی غذا کا اہتمام کرنا چاہتے تو شاہ صاحب منع فرماتے اور ارشاد فرماتے کہ ”جب ہم نے اللہ تعالیٰ کے تکفل پر اعتماد کر لیا ہے تو اب اس کی مرضی یہ نہیں کہ کم تر درجے کی غذا استعمال کریں۔ تم میں سے جس کا جس چیز کو جی چاہے وہی غذا بے تکلف استعمال کرو“ اس کے علاوہ شاہ صاحب سے اس سفر میں تسلسل اور تواتر کے ساتھ کرامات کا ظہور ہوا۔

(۳)

دوسری بار شاہ صاحب نے ۱۱۴۳ھ میں سفر حج کا عزم کیا اور ۸ ربیع الاول کو روانہ ہو گئے۔ ۱۵ ذی قعدہ ۱۱۴۳ھ کو مکہ معظمہ پہنچے۔ حج سے فراغت کے بعد ربیع الاول ۱۱۴۳ھ میں مدینہ منورہ پہنچے۔ ۱۵ شعبان کو مکہ معظمہ واپس ہوئے۔ حج ثانی کیا اور ۱۴ رجب ۱۱۴۵ھ کو دہلی واپس پہنچے گئے۔

شاہ صاحب نے یہ سفر دہلی سے پنجاب اور سندھ ہوتے ہوئے سورت تک اس طرح کیا کہ راہ میں جہاں جہاں بزرگوں کے مزارات آتے ان پر حاضری دیتے اور مراقب ہوتے۔ پانی پت میں شاہ بوعلی قلندر کے ہر ہند میں حضرت شیخ مجدد کے، لاہور میں شیخ بجوری کے، ملتان میں مخدوم بہاء الدین زریا اور شاہ رکن عالم کے مزارات پر حاضری دیتے ہوئے سندھ میں داخل ہوئے اور نصرپور سے ٹھٹھہ اور وہاں سے سورت پہنچے۔ سورت سے جہاز میں جذبہ اور جدہ سے مکہ معظمہ پہنچے۔ واپسی میں سورت سے دوسرا راستہ اختیار فرمایا اور گوالیار میں خواجہ خانوادہ شیخ محمد غوث کے اور آگرہ میں امیر ابو اعلیٰ کے مزارات کی زیارت کرتے ہوئے دہلی واپس پہنچے۔

اس سفر میں ملتان میں بہت سے حضرات آپ سے بیعت ہوئے اور نصرپور میں تو بکثرت علماء فضلاء دور دور سے سفر کر کے آئے، آپ سے استفادہ کیا اور بیعت کی۔ ٹھٹھہ میں تو شہر کے تمام ہی علماء اور صوفیہ داخل سلسلہ ہوئے۔ انہی میں سندھ کے مشہور عالم اور مصنف محمد معین بھی تھے جو اجازت سے سرفراز ہوئے۔ (ص ۳۸-۴۹)۔

شاہ صاحب کی ایک صاحبزادی صالحہ تھیں جو جوان اور شادی شدہ تھیں مگر شاہ صاحب کی حیات میں ہی ان کی رحلت ہو گئی تھی (ص ۱۷۵) شاہ صاحب کے ایک صاحبزادے میاں سعد الدین تھے (ص ۲۰۲) شاید یہ نو عمری ہی میں وفات پا گئے کیونکہ پھر کسی موقع پر ان کا نام نہیں آیا شاہ عبدالعزیز شکامیان ہے کہ ”والدین را و دیک بے مرده بودند“ شاید میاں سعد الدین بھی عہد طفلی میں ہی وفات پا گئے۔

(۵)

شاہ صاحب مستقل طور پر ہندوؤں میں مقیم تھے (جسے اس زمانے میں محد و شک نذر کہتے تھے) مگر صفدر جنگ (۱۷۵۳ء) کے جنگاے کے دوران نیز ہندوؤں کی درخواست پر عارضی طور پر ”نئی دہلی“ منتقل ہو گئے تھے (ص ۲۰۶) کو شک نذر اس دور میں پرانی دہلی میں شہر ہوتا تھا اور شاہ جہاں کی بانی ہوئی دہلی

کو "نئی دلی" کہتے تھے۔ ۱۹۱۲ء میں فرنگیوں نے اپنی نئی دلی بسائی تو شاہ جہاں کی دلی پرانی دلی بنانے لگی۔

(۶)

احمد شاہ درانی کے حملے کے دوران ۱۷۳۰ء میں شاہ صاحب عارضی طور پر دلی سے بڑھانہ (ضلع مظفر نگر) منتقل ہو گئے تھے۔ (ص ۲۳۰)

(۷)

شعبان ۱۱۷۴ھ میں شاہ صاحب، بڑھانہ میں مقیم اور حسب عادت اعکاف اربعین میں تھے۔ بازو میں درد محسوس ہونے لگا۔ درد جب شدید ہو گیا تو خلوت موقوف فرما کر علاج کی طرف توجہ فرمائی۔ درد کے ازالے کے بعد پھر خلوت اختیار فرمائی تو درد پھر عود کر آیا، جو علاج سے زائل تو ہو گیا مگر سقوط اشتہا، بصلابت معدہ، ہمو، تنفس اور سوء التقیہ کے عوارض لاحق ہو گئے۔ مقامی اطباء کے علاج سے جب افادہ نہیں ہوا تو دہلی سے ایک عقیدت کیش اور فضل طیب بڑھانے آئے اور معالجہ کا آغاز کیا مگر عوارض میں تخفیف نہیں ہوئی تو ۸ ذی الحجہ کو وہی تشریف لے گئے۔ وہاں متعدد اطباء نے اپنی اپنی تشخیص کے مطابق تدابیر اختیار کیں مگر عوارض میں اشد ادوی ہو گیا ایک دن طبیعت زیادہ بگڑ گئی اور اطراف سرد ہو گئے، نبض غائب ہوئی تو معالجہ مایوس ہو گئے۔ اسی حالت میں ایک دن حضرت مرزا مظہر جان جاناں عیادت کے لیے تشریف لائے اور تھک کر کے ڈیزہ گھنٹہ تک مراقبہ کیا۔ مرزا صاحب کے رخصت ہوتے ہی حالت متغیر ہونے شروع ہوئی اور آٹا قانا موت کے آثار مترتب ہونے لگے، یہاں تک کہ ظہر کے وقت (۳ محرم الحرام ۱۱۷۶ھ کو) وصال ہو گیا (ص ۲۵۹-۲۶۳)

(۸)

شاہ صاحب کے پیشی ارتقا سے جائزے کے لیے ان کی تالیفات کی ترتیب زمانی کا تعین ضروری ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلی و شش واکثر مظہر لہجہ نے کی تھی۔ اب

القول کی اشاعت کے بعد اس موضوع پر بات آگے بڑھائی جاسکتی ہے۔ دو کتابوں کے سنہن تالیف کا تعین تعین کے ساتھ ہو گیا ہے۔

(۱) فیوض الحرمین کی تالیف حجاز میں ہی ہو گئی تھی۔ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ واپسی (رمضان ۱۱۴۳ھ) میں اعتکاف کے دوران یہ کتاب تالیف کی گئی۔ (ص ۴۷)

(۲) المقدمة السنیہ کی تحریر بھی مکہ معظمہ میں اسی سال ہوئی۔ شیخ ابوطاہر کی فرمائش پر شاہ صاحب نے شیخ مجدد الف ثانی کے رسالہ رد و انفض کی تعریف کی تھی۔ (ص ۴۶)

(۳) القول الجلیل فی بیان سوا السبیل، یہ کتاب شاہ صاحب کے سفر حج (۱۱۴۳ھ) سے پہلے ہی مرتب ہو گئی تھی اور شاہ صاحب اسے ساتھ حجاز لے گئے تھے، جہاں شیخ ابوطاہر کردی نے اپنے ہاتھ سے اس کی نقل کی اور پھر شاہ صاحب سے اس کا درس لیا۔ دیا ر مغرب، بصرہ، مصر کے متعدد اصحاب طریقت نے بھی اس کی نقول حاصل کیں اور شاہ صاحب سے اجازت حاصل کی۔ (ص ۴۷ و ۴۸)

(۹)

شاہ صاحب کے جو مکاتیب اب تک دریافت اور شائع ہو چکے ہیں، القول میں ان کے علاوہ متعدد نئے مکاتیب نظر آتے ہیں۔ مختلف مقامات پر القول میں ہی کل گیرہ مکاتیب ہیں ان میں سے ایک ایک مکتوب نجیب الدولہ، ملکہ زینت محل اور مخدوم محمد معین تنوی کے نام اور آٹھ مکاتیب شاہ محمد عاشق کے نام ہیں۔ (ص ۱۸۹، ۱۹۹، ۲۰۷، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۳۳، ۲۳۵، ۲۵۴، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۸۲)

(۱۰)

مکاتیب کے علاوہ القول میں شاہ صاحب کی بعض نئی تحریریں بھی ہیں، مثلاً (۱) ایک مسرشد شیخ شرف الدین کی تالیف نقوۃ التصوف پر شاہ صاحب کی تقریظ (ص ۴۷۶)۔ (۲) شاہ صاحب نے خواجہ محمد امین کی درخواست پر ”قواعد سوک“ کے سلسلے میں رباعیات نظم فرمائی تھیں اور ساتھ ہی ان کی شرح بھی کی تھی۔ (ص ۳۱۱ تا ۳۱۳)

القول میں شاہ صاحب کی حسب ذیل تصانیف و تالیفات کے نام دیئے گئے ہیں:

- | | |
|--|---------------------|
| ۱۔ تمہیمات الہیہ | ۲۔ حجة الله البالغة |
| ۳۔ الخیر الکثیر | ۴۔ لمحات |
| ۵۔ ہمعات | ۶۔ الطاف القدس |
| ۷۔ فیوض الحرمین | ۸۔ ہوامح |
| ۹۔ فتح الرحمن | ۱۰۔ اطیب النغم |
| ۱۱۔ اعتصام الامین بحبل اللہ بذریعہ توسل ولی اللہ | |
| ۱۲۔ القول الجمیل | ۱۳۔ سطعات |
| ۱۴۔ انفاس العارفين | ۱۵۔ المقدمة السنية |
| ۱۶۔ المسؤی | ۱۷۔ المصنعی |
| ۱۸۔ قرۃ العینین | ۱۹۔ الفوز الکبیر |
| ۲۰۔ فتح الخیر | ۲۱۔ الانصاف |
| ۲۲۔ شفاء القلوب | ۲۳۔ عقد الجید |
| ۲۴۔ مکتوب بدنی | ۲۵۔ وصیت نامہ |

مگر حیرت ہے کہ یہ فہرست مکمل نہیں ہے اور مذکورہ کتابوں کے علاوہ شاہ صاحب کی اور بھی تالیفات ہیں۔ مثلاً

خود شاہ صاحب نے اپنی حسب ذیل دو کتابوں کا ذکر کیا ہے۔

- (۱) الخبۃ فی سلسلۃ العجۃ^{۱۳}
 - (۲) الفضل المبین فی المسلسل من حدیث النبی الامین^{۱۴}
- حاشیہ رسالہ لبس الاحمر کا ذکر شاہ عبدالعزیز نے کیا ہے۔^{۱۵}

حسب ذیل کتابیں مطبوعہ ہیں:

- (۱) از الہ الخفا۔ (۲) البدور البازغہ
 (۳) تاویل الاحادیث (۴) الجزء اللطیف
 (۵) رسالہ دانش مندی (۶) الدر الثمین
 (۷) النوادر (۸) الارشاد الی مہمات الاسناد
 (۹) تراجم ابواب بخاری (۱۰) الانتباه فی سلاسل اولیاء اللہ
 (۱۱) اتحاف النبیہ (۱۲) شرح تراجم ابواب بخاری
 (۱۳) کشف الغمین (۱۴) سرور المحزون
 (۱۵) السر المکتوم (۱۶) صرف منظوم
 حسب ذیل دو کتابوں کا ذکر مولانا سید محمد نعمان رائے بریلوی نے کیا:^{۱۶}
 (۱) منصور (۲) اسرار فقہ
 حسب ذیل آٹھ تالیفات کا ذکر عبدالرحیم ضیاء نے مقالاتِ خطریقت میں کیا ہے:
 (۱) فتح الودود فی معرفۃ الجہود (۲) عوارف
 (۳) واردات (۴) نہایات الاصول
 (۵) الانوار المجدیہ (۶) فتح اسلام
 (۷) ردّ رواض (در ردّ گوہر مراد) (۸) کشف الانوار
 (۱۲)

شاہ صاحب پر اب تک دستیاب مآخذ کی بناء پر میرا تاثر یہ تھا کہ وہ اپنی حیات میں نہ زیادہ متعارف تھے اور نہ مقبول۔ ان کا نام ان کے بعد شاہ عبدالعزیز کی شہرت کے بعد روشن ہوا تھا اور ۱۸۰۱ء میں لطف^{۱۷} نے اور ۱۸۲۳ء میں انگریزوں نے ان کا تعارف شاہ عبدالعزیز کے والد کی حیثیت سے کروایا تھا، مگر القول الجلی کے مطالعے کے بعد یہ تاثر بانی نہیں رہا۔ شاہ صاحب اپنی حیات میں ہی متعارف تھے اور اللہ نے انہیں قبولِ خواص بھی عطا کیا تھا اور ان کی شخصیت میں ابتداء ہی سے بڑی جاذبیت تھی۔ وہ بیس سال کی عمر میں جب

اچانک اور کسی قدر اخفاء کے ساتھ اور پاپیادہ سترج کے لیے روانہ ہوئے تو نیاز مندوں کی ایک جماعت ان کے ساتھ تھی۔ (ص ۲۶، ۲۷، ۲۸) بعد میں جیسے ان کے فضائل و کمالات نمایاں ہوتے گئے ان کا حلقہ تعارف و ارادت وسیع ہوتا گیا اور ان کے ردِ ہجوم خلقت رہنے لگا۔ (ص ۱۱۵-۱۵۸)

ان آنے والوں میں دعا خواہ عوام بھی تھے، طالبانِ علوم بھی، جادہ طریقت کے راہ رو بھی، مرکزی حکومت کے اونچے درجے کے حکام بھی، ملکہ زینت محل بھی ان سے ربط و نسبت رکھتی تھی اور تخت نشینی کے امیدوار بھی۔ ایک بادشاہ وقت احمد شاہ (۱۸۵۳ء-۱۸۸۳ء) نے ان کے آستانے پر نیاز مندانہ حاضری دی تھی۔ مختصر یہ کہ مدرسہ رحیمیہ کی طرف رجوع خلق شاہ عبدالعزیز کے عہد میں نہیں خود شاہ صاحب کے عہد میں ہونے لگا تھا اور صرف دہلی اور اس کے نواح نہیں کشمیر اور سندھ تک یہ سلسلہ دراز تھا۔ شاہ صاحب ۱۱۳۳ھ میں (ستائیس سال کی عمر میں) سترج کے لیے نکلے اور پانی پت، ٹبرہند، لاہور، ملتان ہوتے ہوئے سندھ میں داخل ہوئے تو

”از ہمد جا علماء و طلبہ خبر قدم فیض لردم ایساں شنیدہ می دویدند و سعیا می نمودند۔“ (ص ۲۹)

”ان کی تشریف آوری کی خبر سن کر ہر طرف علماء اور طلبہ دوڑنے آتے تھے اور استغاضے کی کوشش کرتے تھے۔“

نہر پور (نزد ڈھند) میں سندھ کے کئی علماء و درویش آ کر بیعت ہوئے اور اشغال کی اجازت حاصل کی (ص ۳۹) سندھ کے نامور عالم اور اہلِ قلم مخدوم محمد معین تنوہی بھی اسی موقع پر داخل سلسلہ ہوئے تھے۔ سندھ کے بعد کشمیر کا درجہ ہے۔ شاہ صاحب نے مستفیدین اور عقیدت مندوں ہی میں سندھ کے بعد سب سے زیادہ تعداد کشمیر کے طالبانِ علوم اور مستر شہین کی ہے شاہ صاحب کے تلامذہ اور مستر شہین کی جو فہرست میں ہے ”شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان“ میں دی ہے (ص ۵۰، ۵۱) ان کے علاوہ حسب ذیل متبعین کے

نہ اقول جی میں طے۔

- ۱۔ مولوی محمد اعظم کشمیری (ص ۷، ۱۳۲، ۱۹۶) ۲۔ محمد قطب ربکی (ص ۳۳)
- ۳۔ ہدایت اللہ تحوی (ص ۸۳) ۴۔ سید محمد خاں سندھی (ص ۸۸)
- ۵۔ سلطان حسین (ص ۸۹) ۶۔ شیخ شمس الحق (ص ۹۰)
- ۷۔ میر افضل (ص ۱۱۱) ۸۔ خواجہ ابوالخیر کشمیری (ص ۱۷۷)
- ۹۔ پرتہ اللہ (ص ۱۳۳) ۱۰۔ حافظ محمد کشمیری (ص ۱۷۷)
- ۱۱۔ شیخ محمد مراد بدخشی (ص ۱۵۸) ۱۲۔ حافظ محمد افضل کشمیری (ص ۱۷۷)
- ۱۳۔ خلیفہ ابوالوفا کشمیری (ص ۲۳۳، ۲۵۷، ۲۵۷) ۱۴۔ خواجہ عبدالکیم (ص ۲۵۵)
- ۱۵۔ محمد جواد (ص ۲۵۸) ۱۶۔ محمد بیگ (ص ۲۶۲)

(۱۳)

میں نے ”شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان“ میں متفرق مقامات سے شاہ صاحب کے اشعار یک جا کر دیے ہیں مگر اقول الجلی میں جو مزید اشعار نظر آئے وہ یہاں درج کیے جاتے ہیں:

کہ باور دارد این حرف از فقیر خاکسار من
کہ ظل عالم قدس است انکار و قبول او
ندارد با طش از خویش آئینہ صفت رننے
طلسم حیرت آموزست تمکین و فصول او
شعاع آفتاب از راہ این روزن ہی ریزد
بجز این نکتہ نواں بست مضمون وصول او
حباب آساز خود خالی ز سطح بحر می جوشد
وجود او نمود او شہود او حصول او
(ص ۲۵۶)

رباعیات

علمی کہ نہ مآخوذ ز مشکوٰۃ نبی ست
 واند کہ سیرابی از اس تشنہ لبی ست
 جائے کہ بود جلوہ حق حاکم وقت
 تابع شدن حکم خرد بولہبی ست
 (ص ۳۱۱)

۲ دانی چہ بود نیچ قدیم اے دلدار!
 شغلِ دلی تو با ظاہر و باطن با یار
 ایں را شوی از درس عوارف عارف
 وائ فنِ بگر بار بگیر از احرار
 (ص ۳۱۱)

در مذہب ما ہست ز اسباب غرور
 ذکرے کہ بود عاقل از انوار حضور
 در حاشیہ نفی بشو از خلق نفور
 از جانب اثبات برو سوئے غفور
 (ص ۳۱۱)

مستی دولہ شرط طریق افتاد ست
 بے مست شدن کار کے نکشاد ست
 در ذکرِ خفی جہر تحیل کردن
 شرط ست ز استاد طریقم یاد ست
 (ص ۳۱۱)

خواہی کہ مئے حرفِ محبت نوشی
 باید کہ بتقلیلِ علائقِ کوشی
 دل را ز خیالاتِ جہاں صرف کنی
 چشم از صورِ حملہٗ عالم پشی
 (ص ۳۱۲)

در عشق تو از جملہ جہاں بگو شتم
 و ز ہرچہ بجز یاد تو زان بگو شتم
 مقصود ایں بندہ بجز وصل تو نیست
 اندر طلب از دل و جاں بگو شتم
 (ص ۳۱۲)

دائم دل من پیش تو حاضر باشد
 چشم بر بخ خوب تو ناظر باشد
 در غیب ما شرک جلی ست و صریح
 گر سوئے دگر خطرہٗ خاطر باشد
 (ص ۳۱۲)

دانی چہ بود سہل کثیر البرکات
 در مشربِ اہل دل وجودِ عداات
 تحصیلِ علوم ست بسی مانع
 در حقِ خواطر و در شدِ جہات
 (ص ۳۱۲)

خوش آں کہ بانوار وضو رکین ست
 زیرا کہ طہارت ز اصول دین ست
 تنویر دل و قہی خواطر خواہی
 اقوی ذریعہ حصول این ست
 (ص ۳۱۲)

تحصیل عدم اگر ندانی کردن؟
 باید نظر اہل فطانت جستن
 این داء عضال را دوائے بہ ازیں
 در حکمت اہل مدخل نخواہی دیدن
 (ص ۳۱۲)

آنان کہ ز انوار سبکی رستند
 با لُجہ انوار قدم پیوستند
 فیض قدس از بہمت ایشان می جو
 دروازہ فیض قدس ایشان ہستند
 (ص ۳۱۲)

آں ذات کہ از قید جہت بیرون ست
 از حیطہ اسماء و صفت بیرون ست
 ہر مرتبہ زان ذات نشانے دارد
 ہر چند ز تعیین سمت بیرون ست
 (ص ۳۱۲)

ہر مدرکہ شد مظہر آں یار عجیب
ظاہر شد از صورتش آثار عجیب
در لوح دل از خبت کنی صورت او
پیدا شود از لوح دل اسرار عجیب
(ص ۳۱۲)

اے دوست نونی دیدہ بینائی من
شنوائی و دانائی و گویائی من
عشق تو و ہم دل غم دیدہ من
و اندر دل غم دیدہ شکستہ من
(ص ۳۱۳)

در شان شاہ عاشق

آنی تو کہ از نام تو می بارد عشق
از نامہ و پیغام تو می بارد عشق
عاشق شود آں کس کہ بکویت گزرد
آرے ز در و بام تو می بارد عشق
(ص ۳۸۳)

تاریخ سفر حج

ز دلی بر آمد دلی بہر حج
ہشتم صبح از ربیع دوم
ہزار و صد و چہل و سہ سال بود
کہ این داعیہ گشت با فعل ضم
(ص ۴۹)

تاریخ مراجعت از سفر حج
 دلی چوں پس از حج پہلی رسید
 سر آمد سفر منقطع گشت رنج
 تاریخ رابع عشر از رجب
 ز سال ہزار و صد و چہل و پنج
 (ص ۴۹)

۱۴

ایام عاشورہ میں فاتحہ

”در ایام عاشورہ از جانب ائمہ اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین مکرر اشارات معلوم شد کہ چیزے برائے فاتحہ ایساں باید کرد بنا بر آں روزے چیزے از حلاوت حاضر کردہ شد و قرآن ختم نمودہ فاتحہ خواندہ شد پس سرور و ابہتاج از ارواح طیبہ ایساں مشاہدہ افتاد۔“ (ص ۸۰-۸۱)

”ایام عاشورہ میں ائمہ اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف سے ایک بے زیادہ باریہ اشارات ملے کہ ان کی فاتحہ کے لیے کچھ اہتمام کرنا چاہیے اس لیے ایک دن کچھ شیرینی منگائی گئی اور قرآن کریم کا ختم کر کے فاتحہ پڑھی گئی تو ان حضرات کی ارواح پاک کی طرف سے خوشی کی کیفیت نظر آئی۔“

زیارت موئے مبارک

درود از دہم ربیع الاول بحسب دستور تقدیم قرآن خواندم و چیزے

نیا زآ نحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قیست کردم و زیارت موئے شریف
نمودم۔“ (ص ۷۴)

”بارہ ربیع الاول کو میں نے دستور قدیم کے مطابق قرآن پاک کی
تلاوت کی اور آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نیاز کے طور پر کچھ
تقسیم کیا اور موئے شریف کی زیارت کی۔“

عرس

”روز مجلس عرس حضرت بزرگ قدس سرہ حضرت ایشاں بر مزار
پراسرار نشستہ بودند“ (ص ۳۶)
شاہ ولی اللہ صاحب، شاہ عبدالرحیم صاحب کے عرس کی مجلس میں ان
کے مزاہد اسرار پر بیٹھے ہوئے تھے۔

”حضرت ایشاں فرمودند کہ شب عرس حضرت شیخ ابوالرضا محمد قدس سرہ
کہ در مقبرہ شاں ہنگامہ و سرودے و بمر دماں شوق و وجدے بود، در
مسجد خویش بعد عشا نشستہ بودم کہ یک پارہ نور آوردند و گفتند و آنچہ
در آں جاذوق و شوق و برکات توجہ روح مبارک شاں بود ہمہ مرکب
شدہ ایں صورت گرفتہ کہ اربال یافتہ“ (ص ۱۰۱)

شاہ ولی اللہ نے فرمایا کہ میرے چچا حضرت شاہ ابوالرضا محمد قدس سرہ
کے عرس کی رات ان کے مقبرے میں محفل سماع برپا تھی اور حاضرین
پر شوق و وجد کی کیفیت طاری تھی میں عشاء کے بعد اپنی مسجد میں بیٹھا
تھا کہ ایک پارہ نور لایا گیا اور کہا گیا کہ محفل عرس میں جو ذوق و شوق

اور ان کی روح مبارک کی توجہ کی برکات تھیں وہ سب مرکب ہو کر اس نور کی شکل اختیار کر گئی ہیں جو تمہارے پاس بھیجا گیا ہے

”ہم دریاں لیا م موسم عرس حضرت شیخ
بزرگ عبدالرحیم قدس سرہ رسید“
”انھی دنوں حضرت شاہ عبدالرحیم کے
عرس کا وقت آ گیا“ (ص ۲۵۵)

قبر پر مراقبہ

”فرمودند۔۔۔ پس ماہر مزار شریف (والد ماجد) اکثر اوقات متوجہ بروحانیت شاہ فیہی نشستم
پس راہ حقیقت برما کشادہ شد“ (ص ۲۶۳)

”شاہ صاحب نے فرمایا میں اکثر والد ماجد کے مزار پر ان کی روحانیت کی طرف توجہ کر کے
بیٹھ جایا کرتا تھا جس سے راہ حقیقت مجھ پر واضح ہو گئی۔“

تعویذ

(۱) ”حضرت ایشاں بقضیہ رہنک تشریف بردند و برائے اطفال تعویذ ہا نوشتند“ (ص ۳۴)

”شاہ صاحب (ایک بار) رہنک گئے ہوئے تھے اور وہاں مخلصوں کے بچوں کے لیے
تعویذ لکھ رہے تھے۔“

(۲) شاہ صاحب کے ایک مسٹر شد حافظ عبدالرحمان کا بیان ہے کہ میرا بچہ چیچک میں مبتلا
ہو گیا، میں نے حضرت (شاہ ولی اللہ) سے گزارش کی، حضرت نے تعویذ عنایت کیا اور بچے
نے شفا پائی۔ (ص ۱۰۱)

”ہر کہ از آں جناب استفاضہ شفا از غل و امراض سے نمایہ تعویذ و دعا

بایشاں حوالہ سے فرماید۔“ (ص ۴۵۴)

”جو کوئی شاہ صاحب سے بیماری سے شفا حاصل کرنے کے لیے توجہ کی درخواست کرتا آپ تعویذ اور دعا کے لیے حافظ عبد الرحمان کے حوالے فرمادیتے۔“

۴۔ شاہ صاحب کے ایک مسترشد سلطان حسین خاں کا بچہ شدید بیمار ہو گیا اس کی درخواست پر آپ نے ایک ظرف چینی پر آیات قرآنی اور اسماء الہی لکھ کر اس کو دے دیئے کہ اسے دھو کر بچے کو پلا دو اور تین دن تک پانچ روپے روزانہ ”نیاز بزرگان“ کے طور پر ہمیں لا کر دو۔ ان پانچ روپوں میں سے ایک روپیہ حضرت غوث اعظم اور ان کے اولیاء سلسلہ کا اور ایک روپیہ خواجگان چشت کا اور ایک روپیہ سلسلہ سہروردیہ و کردیہ کا اور ایک روپیہ سلسلہ شطاریہ و شاذلیہ کا۔ مسترشد نے اس پر عمل کیا، بچے نے شفا پائی اور اس نے مقررہ نیاز لا کر پیش کیا۔

(ص ۸۹، ۹۰)

انگوٹھی

”بارے در شرف زہرہ در قمر ساختن دو انگشتری اتفاق افتاد و بدو کسے از نسواں حوالہ نمود۔“

(ص ۱۱۰)

”ایک بار میں (شاہ صاحب) نے شرف زہرہ در قمر میں دو انگوٹھیاں بنائیں اور عورتوں کو (پہننے کے لیے) دیں۔“

فضائل درود

”از آں جملہ آنت کہ خوانندہ درود از رسواں۔۔۔ شہنشاہی ماند و خللے در آبرو نہ پذیرد“

(ص ۲۷۷-۲۷۸)

”درود شریف کے فضائل میں سے ایک یہ ہے کہ اس کا پڑھنے والا دنیا کی رسوائی سے محفوظ رہتا ہے اور اس کے آبرو میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔“

غوثِ اعظم

شاہ صاحب نے اپنے ارشادات میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے لیے متعدد مواقع پر غوثِ اعظم کا استعمال کیا ہے (ص ۸۱-۸۵) غوثِ اعظم کا استعمال بعض حضرات کی نظر میں قابلِ اعتراض ہے۔

سدا سہاگ

”درہنگام عبور در احمد آباد بر قبر موسیٰ سہاگ کہ مجذوبے مشہور بود گزر افتاد“ (ص ۳۳۶)
 ”(ایک سفر کے دوران) احمد آباد سے گزرتے ہوئے موسیٰ سہاگ کی قبر پر تشریف لے گئے جو ایک مشہور مجذوب تھے۔“

یہ بزرگ سدا سہاگی فرتے سے تعلق رکھتے تھے اور
 ”اتباع دے ہمہ متشہمین بہ نساء بودند و در سن کعبہ افتادہ بوئے داشتند“
 ”موسیٰ سہاگ کے پیروان کئی اقتدا میں (لباس و ادضاع میں) عورتوں سے مشابہت اختیار کرتے تھے۔“

شاہ صاحب کے ان ملفوظات و معمولات کو پڑھ کر شاہ صاحب کی طرف ان کے انتساب میں تامل ہوتا ہے۔ اور سوچنا پڑتا ہے کہ یہ شاہ صاحب کے ہو سکتے ہیں؟ اس تامل کی وجہ یہ ہے کہ اب تک ہمارے ذہن میں شاہ صاحب کی جو تصویر تھی وہ اس تصویر سے بہت مختلف ہے جو القول الجلیلی کے آئینے میں نظر آتی ہے اور اب تک ہم شاہ صاحب کو جس مسلک فقہی کا ترجمان اور داعی سمجھتے تھے یہ تحریریں اس سے مختلف ہیں۔

ہمیں حلیم ہو یا نہ ہو اور پسند آئے یا نہ آئے ان ملفوظات و معمولات کے شاہ صاحب کی طرف استناد میں کلام کی گنجائش نہیں ہے۔ القول الجلیلی اس شخص کی مرتبہ ہے جو شاہ صاحب کا سب سے مستند ترجمان تھا، جسے خود شاہ صاحب نے ”اعز الخوان و اجلہ خلان“ لکھا ہے اور جسے شاہ عبدالعزیز نے شاہ صاحب کا ”جل خلفاء“ لکھا ہے۔ پھر اس نے

”بیچ چیز دریں رسالہ بقید قلم نیاوردہ مگر کہ برآں جناب مکرر عرض شدہ
 وبشراف اصلاح تشریف یافت۔“ (ص ۴)
 ”اس رسالے میں کوئی بات ایسی نہیں لکھی جو ایک سے زیادہ بار شاہ
 صاحب کو نہ دکھائی گئی ہو اور اس پر شاہ صاحب نے (ضرورت ہوئی
 تو) اصلاح نہ فرمادی ہو۔“

پھر خود شاہ صاحب نے اس کتاب کی تصدیق و تصویب فرمادی تھی۔ ایک اور
 خاص بات یہ ہے کہ اس کتاب کا بڑا حصہ شاہ صاحب کے جن ملفوظات وارشادات پر مشتمل
 ہے وہ نئے نہیں ہیں بلکہ ان کی تالیفات سے منقول و مقتبس ہیں اور یہ تالیفات سب کی سب
 غیر مطبوعہ نہیں ہیں بلکہ ان میں سے قمیہات الہیہ، فیوض الحرمین، ہمعات، انفاس العارفین
 مطبوعہ ہیں۔

کسی بھی شخصیت سے اعتنا اور اس کے افکار و آراء کے جائزے کے سلسلے میں صحیح
 اور دیا مندرطرز فکر و عمل یہ ہے کہ ہم یہ تحقیق کریں کہ اس کے افکار و آراء کیا ہیں! نہ یہ کہ کیا
 ہونے چاہئیں! اور تحقیق و تلاش کے بعد ان افکار و آراء ہی کو تسلیم کر کے یہ فیصلہ دیں کہ ان کو
 رد کریں یا قبول اور اس شخصیت کو پسند کریں یا ناپسند! یہ طرز فکر و عمل صحیح نہیں ہے کہ پہلے ہم یہ
 طے کریں کہ صحیح نظریہ یا مسلک یہ ہے۔ لہذا اس شخصیت کا بھی یہی نظریہ اور مسلک ہونا
 چاہیے اور اس کے منہ میں اپنے الفاظ کو ڈال دیں۔ اس کی تحریروں میں الحاقات کے ذریعے
 اپنے پسندیدہ نظریات شامل کر دیں یا مستقل رسائل و کتب تصنیف کر کے اس کی طرف ان کا
 انتساب کر کے اسے اپنے پسندیدہ مسلک سے مشرف کر دیں۔

شاہ صاحب کے ساتھ تو ابتداء ہی سے یہ معاملہ روا رکھا گیا ہے، ان کی کئی کتابوں
 (تاویل الاحادیث، ہمعات، عقد الجید وغیرہ) میں حذف و الحاق کیا گیا۔ اس کے علاوہ ان
 کی طرف برسمیل غلط مستقل چھ کتابیں منسوب کر دی گئیں:

۱۔ قرۃ العینین فی ابطال شہادت الحنین۔

۲۔ جندہ العالیہ فی مناقب المعادیہ

۳۔ البلاغ المبین

۴۔ تحفۃ الموحدین

۵۔ اشارہ مستمرہ

۶۔ قول سدید

پہلی دو کتابیں ایک شیعہ مولف، مرزا لطف علی نے منسوب کی ہیں مگر ان کا صرف نام ہے وجود نہیں ہے، باقی چار کتابیں بار بار طبع کی جاتی رہیں اور ان ہی کی کثرت اشاعت سے شاہ صاحب کے مسلک کے متعلق جو تاثر اب تک عام رہا ہے وہ ”القول الجلی فی ذکر آثار الولی“ کے مشتملات کے برعکس ہے۔

شاہ صاحب کے اخلاف کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا گیا۔ شاہ عبدالعزیز کی کتاب ”تحفۃ الثا عشریہ“ کے طبع ہوتے ہی اس میں النیافت کیے گئے جو شاہ صاحب کے مسلک سے متضاد تھے شاہ صاحب نے اپنے ایک مکتوب میں ان سے برأت ظاہر کی اور اسے الحاق قرار دیا۔

حواشی

۱۔ ص ۱۹۴۔ البحر اللطیف فی ترجمہ العبد الضعیف، مطبع احمدی دہلی (۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء)۔

۲۔ ص ۹۱۲۔ البحر العلوم، مطبع صدیقی بمبئی (۱۲۹۶ھ/۱۸۸۰ء)۔ ص ۳۳۰

اتحاد العلماء، مطبع نظامی کانپور (۱۲۸۸ھ/۱۸۷۲ء)۔

۳۔ ص ۲۵۸۔ تذکرہ علماء ہند، رحمان علی نوٹشور لکھنؤ ۱۹۱۳ء (اشاعت دوم)۔

۴۔ ص ۲۹۔ شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، دہلی ۱۹۶۹ء۔

۵۔ کتاب کے تین ابواب میں سے پہلا باب شاہ صاحب کے سوانح کے لیے مختص ہے وہی اس محوٹے میں سے غائب ہے۔

ہمیں ورق کہ یہ گشت مدعا ایں جاست

۶۔ کتب خانہ انوریہ، نکیہ شریف، کاکوری ضلع لکھنؤ، اتر پردیش بھارت۔ ترجمہ ۶۷۹ صفحات پر مشتمل ہے آغاز میں جناب مولانا ابوالحسن زید فاروقی (سجادہ نشین درگاہ حضرت شاہ ابوالخیر، دہلی) کا ۵۵ صفحات کا مقدمہ اور ۲۱ صفحات کی عرض مترجم، مزید علیہ ہیں۔

۷۔ شاہ ابوالخیر اکادمی، شاہ ابوالخیر مارگ، دہلی نمبر ۶ بھارت کتاب ۴۹۸ صفحات پر مشتمل ہے آخر میں ۵ صفحات کا اختتامیہ اور ۵۵ صفحات کا مقدمہ (از مولانا ابوالحسن زید) بھی شامل ہے۔ مخطوطہ کی کتاب ۲۵ شعبان ۱۲۲۹ھ مطابق ۱۱ اگست ۱۸۱۳ء کو ہوئی ہے ضخامت ۴۹۸ صفحات سطور فی صفحہ ۱۹، کتاب کی مخطوطہ کے صورتہ (فونوٹس) کے ذریعے طباعت اس پہلو سے توجیح ہے کہ مشتملات کتاب کے اعتبار و استناد میں کسی کو کلام کی گنجائش نہ رہے اور الحاق یا ترمیم و تحریف کا شائبہ نہ پیدا ہو مگر یہ شکل کتاب سے استفادے میں حارج ہے اور کاتب کے خوش قلم اور محتاط نہ ہونے کی وجہ سے بکثرت مقامات مایہ قرء نہیں ہیں اور پھر فہرست مضامین اور اشاریہ رجال و اماکن و کتب کی کمی بھی بہت محسوس ہوئی ہے۔ اور کتاب سے استفادہ محنت طلب ہو گیا ہے۔

۸۔ نصر پور ٹھنڈہ کے قریب ایک شہر ہے اس دور میں یہ بندر گاہ بھی تھی فیروز قلی نے ۷۵۲ھ میں اسے آباد کیا تھا۔

۹۔ صالحہ، شاہ صاحب کی پہلی اہلیہ سے سب سے پہلی اولاد تھیں۔ ان کی ولادت ۱۱۴۳ھ میں ہوئی۔ ان کے بعد ۱۱۴۵ھ میں شاہ محمد اور ۱۱۴۸ھ میں لعلہ العزیز کی ولادت ہوئی۔ مقالہ مولانا نور الحسن راشد، فکر و نظر اسلام آباد جلد ۲۵ شمارہ ۱ (جولائی ستمبر ۱۹۸۷ء)

۱۰۔ ملفوظات شاہ عبدالعزیز، مطبع مجتہائی میرٹھ ۱۳۱۳ھ

۱۱۔ اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد۔

۱۲۔ المقدمة السنیہ بھی شاہ صاحب کی کم شدہ یا گم کردہ کتابوں میں سے تھا۔ یقینی طور پر اس کا وجود صرف ادارہ تحقیقات عربی و فارسی ٹونک میں تھا۔ اس کے علاوہ دو ایک نجی ذخیروں میں اس کے مخطوطات کی صرف خبریں ہی تھیں۔ اب مولانا ابوالحسن زید فاروقی نے ۱۹۸۳ء میں یہ مخطوطہ حاصل کر کے شائع کر دیا ہے۔

ساتھ ہی شیخ مجدد کا اصل فارسی رسالہ بھی۔

۱۳۔ اجازہ بنام شیخ جبار اللہ، مقدمہ المصنوع، طبع مکہ معظمہ۔

۱۴۔ اجازہ بنام شیخ محمد بن پیر محمد، الخیر الکثیر، طبع ذابھیل۔

۱۵۔ فتاویٰ شاہ عبدالعزیز دہلوی ص ۱۲۸ مطبع مجبائی دہلی ۱۸۹۲ء

۱۶۔ مکتوب بنام شاہ ابوسعید رائے بریلوی، ماہنامہ الفرقان لکھنؤ، صفر ۱۳۸۵ھ

۱۷۔ تالیف ۱۸۷۴ء مطبع تین کرتان، حیدر آباد دکن۔

۱۸۔ گلشن ہند ص ۲۶، از مرزا الطیف علی، طبع دکن ۱۹۰۶ء

۱۹۔ وصیت نامہ از سعادت یار خاں رنگین، مشمولہ وصایا اربعہ مرتب محمد ایوب قادری، شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدر آباد سندھ۔

۲۰۔ غالباً اس کے بعد شاہ صاحب ہر سال مستقلاً یہ محفل منعقد فرماتے رہے اور ان کے بعد شاہ عبدالعزیز نے اس تسلسل کو برقرار رکھا۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

در تمام سال دو مجلس در خانہ فقیر منعقد
سال بھر میں دو مجلس خاکسار کے ہاں
می شوند (۱) مجلس ذکر وفات شریف:
برپا ہوتی ہیں (۱) ذکر وفات شریف کی مجلس اور
(۲) مجلس ذکر شہادت حسین۔
(۲) ذکر شہادت حسین کی مجلس۔

(ص) فتاویٰ عزیزی مطبع مجبائی دہلی ۱۳۱۱ھ

۲۱۔ ربیع الاول کو حضور اکرم ﷺ کی نیاز شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ بھی دلایا کرتے تھے۔ فرماتے ہیں: یک سال در ایام وفات حضرت رسالت پناہ ﷺ چیزے فتوح نہ شد کہ نیاز آں حضرت طعاعے پختہ شود یعنی حضرت رسالت پناہ ﷺ کی وفات کی تاریخوں میں ایک سال کوئی چیز میسر نہ ہوئی کہ حضور ﷺ کی نیاز کے طور پر کچھ پکایا جائے۔ چنانچہ بھنے ہوئے چنے اور لڑکی نیاز دہی رات کو میں نے خواب میں دیکھا کہ حضور کے سامنے انواع و اقسام کے کھانے پیش کئے جا رہے ہیں اور وہ بھنے ہوئے چنے اور گڑ بھی پیش کیا گیا۔ حضور اکرم ﷺ نے اس پر نہایت خوش دلی اور مسرت کا اظہار فرمایا اور اس میں سے کچھ تناول فرمایا اور باقی حاضرین مجلس میں تقسیم فرمادیا۔ (ص ۴۲۲ انکس العارفین، طبع احمدی دہلی)۔

۲۲۔ یہ موئے مبارک، شاہ عبدالرحیم کو عطا ہوا تھا، شاہ ولی اللہ نے اس کا واقعہ یوں لکھا ہے کہ والد صاحب فرماتے تھے کہ ”ایک بار بیماری کے تسلسل سے میری حالت غیر ہو گئی اسی حالت میں خواب میں حضور اکرم ﷺ تشریف لائے اور مجھے آغوش میں لے لیا اور اپنی ریش مبارک پر ہاتھ پھیر کر دو موئے مبارک مجھے عطا فرمائے، بیدار ہونے پر میں نے وہ موئے مبارک نیکی کے نیچے پائے اور بیماری اور نقاہت بھی زائل ہو گئی۔“ شاہ عبدالرحیم نے ان میں سے ایک موئے مبارک شاہ ولی اللہ کو عطا کیا تھا اور ایک شاہ اہل اللہ کو، اہل اللہ اسے بھلت لے گئے تھے اور وہاں اب تک شاہ محمد عاشق کے اخلاف کے پاس ہے، شاہ ولی اللہ کے ہاں اس موئے مبارک کی سالانہ زیارت ہوتی تھی، مولانا فضل رسول بدایونی (جو شاہ عبدالعزیز کے معاصر خورد ہیں) لکھتے ہیں کہ زیارت کے موقع پر موئے مبارک کا صندوق شاہ اسماعیل اپنے سر پر اٹھا کر لاتے تھے (ص ۳۰ انفاص العارفین و ص ۶ الدر الثمین از شاہ ولی اللہ و ص ۱۰۶ العوارف الحمد یہ از مولانا فضل رسول بدایونی)۔

شاہ ولی اللہ کے حالات شاہ عبدالعزیز کی زبانی

ملفوظات شاہ عبدالعزیز

القول الخلی کے بعد میرے خیال میں بڑی اہمیت شاہ عبدالعزیز کے ان اقوال و بیانات کی ہے جو ان کے ملفوظات میں پائے جاتے ہیں۔

شاہ عبدالعزیز کے آخری چند سالوں کے ملفوظات ۱۲۲۳ھ/۱۸۱۷ء میں ان کے ایک حاضر باش مسترشد نے مرتب کئے ہیں اور ایک ارادت کیش قاضی بشیر الدین میرٹھی نے ۱۳۱۳ھ میں پہلی بار مطبع مجبائی میرٹھ سے شائع کئے تھے۔

افسوس ہے کہ ان مسترشد کے نام کا پتہ نہیں چلتا، ملفوظات کے ناشر کا بیان ہے کہ حاصل شدہ نسخے کی بوسیدگی اور کرم خوردگی کی وجہ سے جامع ملفوظات کا نام پڑھا نہیں جاسکا، ہمارے سامنے ملفوظات کا ایک مخطوط بھی ہے مگر اس کے آغاز میں بھی جامع نے مطبوعہ نسخے کی طرح خود کو فقیر تحریر کیا ہے۔ نام لکھا ہی نہیں۔ ہو سکتا ہے آخر میں جامع نے اپنا نام لکھا ہو اور وہ ناشر سے نہ پڑھا جاسکا ہو مگر مخطوطہ کے آخر میں جامع یا کاتب کا نام درج نہیں ہے، البتہ سن کتابت ۱۲۵۰ھ درج ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ شاہ صاحب کے وصال ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۳ء کے صرف گیارہ سال بعد مکتوبہ ہے، یہ نسخہ مولانا نذر علی درو کا کوروی (۸/۶۵۸) عزیز

آباد کراچی) کی ملک ہے، انھیں اپنے والد محمد حبیب علی علوی قادری سے ورثہ میں ملا ہے، علوی صاحب نے آغاز میں جامع کے متعلق اپنا قیاس یوں ظاہر کیا ہے۔ ”عالمًا جمع فرمودہ شاہ اداوانی صاحب کہ یکے از خلفائے جید آں جناب (شاہ صاحب) بودند بسیار مقبول پیر خود۔“ افسوس ہے کہ ہم شاہ اداوانی صاحب کی شخصیت سے ناواقف ہیں، ممکن ہے کہ ان کے حالات میں ان کی اس تالیف کا سراغ مل جائے۔ ہمارے فاضل دوست پروفیسر محمد ایوب قادری کا قیاس یہ ہے کہ جامع کا تعلق میرٹھ سے تھا، کیونکہ آغاز ہی میں وہ لکھتے ہیں کہ جب میں شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو انھوں نے اپنے جن دوستوں کے پیغام سلام عرض خدمت کئے وہ میرٹھ کے رہنے والے تھے۔ مولوی عسکری صاحب غلام انبیاء خاں صاحب شیخ لطف علی شیخ مبارک اللہ وغیرہ۔

جامع کا نام علم میں نہ ہونے سے اگرچہ شاہ صاحب کی طرف ملفوظات کی نسبت مشتبہ اور محل نظر ہو جاتی ہے، مگر ہماری ذاتی رائے یہ ہے کہ یہ نسبت صحیح ہے، اولاً تو مطبوعہ نسخے کے علاوہ جو مخطوطہ ہمارے پیش نظر ہے وہ ترتیب ملفوظات اور شاہ صاحب سے بہت قریب العہد ہے، پھر ملفوظات کے اکثر مشتملات کی دوسرے مآخذ (خصوصاً شاہ ولی اللہ کی تحریروں) سے بھی تصویب و تصدیق ہوتی ہے۔ جیسا کہ ہم نے حواشی میں حسب ضرورت اس کی صراحت کر دی ہے۔

مولف کی دیانت کا ثبوت یہ ہے کہ جہاں بھی وہ کسی ملفوظ کو بروقت قلم بند نہیں کر سکے ہیں، انھوں نے اس کا اظہار کر دیا ہے، مثلاً ایک مقام پر نصف ملفوظ نقل کر کے بقیہ نصف نقل کرنے سے پہلے لکھتے ہیں:

”ازیں جا ایں قصہ بعد سہ ماہ بموجب یاد خود کہ با عتماد آں سفیدی گزاشته بودم نوشتہ ام“

(ص ۱۰۸)

”یہاں سے اس قصے کو تین مہینے کے بعد لکھتا ہوں، اپنے حافظے کے بھروسے پر میں نے یہاں

جگہ چھوڑ دی تھی۔“

یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ ہر ملفوظ کو بروقت لکھ لیا کرتے تھے۔ ایک مقام پر شاہ صاحب کی ایک تاریخی تحقیق کا صرف خلاصہ نقل کیا ہے کہ:

”اس وقت بسبب ضیق فرصت بقلم نمی آید مگر یاد است انشاء اللہ المعزیز بشرط فرصت و یاد خواہم نگاشت۔“ (ص ۹۷)

”اس وقت فرصت نہ ہونے کی وجہ سے (پوری گفتگو) نہیں لکھ رہا ہوں، مگر یاد ہے اللہ نے چاہا تو بشرط فرصت و یاد لکھوں گا۔“^۱

اس سے بھی اسی قیاس کی تائید ہوتی ہے کہ وہ دن کے دن لکھ لینے کا ہتمام کر لیتے تھے۔

یہ ضرور ہے کہ ملفوظات کے انداز بیان اور زبان سے ان کے اہل علم ہونے کا اظہار نہیں ہوتا۔ اندازِ بیان علمی و ادبی بھی ہے، زبان (فارسی) مقامی اور غیر معیاری تو ہے مگر بالعموم اغلاط سے بھی خالی نہیں ہے۔

علم کی کمی ہی کی وجہ سے زیادہ تر اشعار، لطیفے اور قصص و حکایات نقل کئے ہیں۔ علمی موضوعات پر جن تقاریر کو نگاہیں کتاب میں ڈھونڈتی ہیں وہ نہیں ملتیں حال آنکہ شاہ صاحب کی بزم میں زیادہ تر عملی و فنی موضوعات معرضِ کلام میں آتے ہوں گے اور شاہ صاحب ان پر دادِ تحقیق دیتے ہوں گے، جامع کو اگر علمی ذوق ہوتا اور ان تقریروں کو سمجھنے کی صلاحیت ہوتی تو ان کو محفوظ کر لیتے اور آج یہ سرمایہ ہمارے لیے بہت منفعت بخش ہوتا۔

بعض ملفوظات کی نسبت کی صحت تسلیم کرنے کی تو ہماری عقیدت کسی طرح اجازت نہیں دیتی، مثلاً صفحہ ۷۲ کا مکالمہ اور صفحہ ۶۶ کا شعر اور صفحہ ۵۵ کی حکایت شاہ صاحب کے وقار و ثقاہت اور ان کی بزم کے تقدس و شائستگی سے اس قسم کے فحش لطیفوں اور عامیانہ اشعار کا کوئی میل نہیں ملتا۔

بہر حال شاہ ولی اللہ کے احوال و سوانح کے سلسلے میں کتاب ایک اہم ماخذ ہے۔
کتاب میں جہاں جہاں شاہ ولی اللہ کا ذکر آیا ہے ہم نے انھیں ایک ترتیب سے جمع کر لیا ہے۔

شاہ ولی اللہ کی تاریخ ولادت و وفات^۲

”تاریخ تولد شاہ ولی اللہ چہارم شوال و چہار شنبہ ۱۱۱۳ھ بود تاریخ وفات ”او بود امام اعظم دیں“ دیگر ”ہائے دل روزگار رفت“ بیت نیم محرم وقت ظہر“ (ص ۴۰)۔
”شاہ صاحب کی تاریخ ولادت چہار شنبہ ۴ شوال ۱۱۱۳ھ ہے اور تاریخ وفات ”او بود امام اعظم دیں“ اور ”ہائے دل روزگار رفت“ سے نکلتی ہے۔ (۱۱۷۶ھ) ۲۹ محرم وقت ظہر“۔

شاہ صاحب کا حافظہ

”مثل والد ماجد حافظہ ندیدہ ام“ (ص ۱۱)

”والد ماجد کی طرح میں نے کسی کا حافظہ نہیں دیکھا۔“

شاہ صاحب راجپوتانے میں

ہنگام سفر مکہ معظمہ حضرت والد ماجد در ملک راجپوتانہ ثبوت پیوست کہ یک کھٹل

مثل کچھوہ خرد بود از جہت زہر رنگ بزر بنظری آمد ہر کہ رانش می زد می مرد (ص ۷۳)

”مکہ معظمہ کے سفر کے دوران والد ماجد کو راجپوتانے میں اس بات کی تحقیق ہوئی

کہ ایک کھٹل، چھوٹے کچھوے کی طرح ہوتا ہے، زہریلا ہونے کی وجہ سے وہ بزر نظر آتا تھا۔

جس کی کوڑنک مار دیتا تھا وہ مر جاتا تھا۔“

سیدنا حسن کا قلم

”چوں والد ماجد بمکہ معظمہ رسید حضرت امام حسن راجپوتانہ دید کہ چادرے بر سر

انداختہ و قلم عنایت کردند و فرمود ایں قلم جد من ست بعد از اں فرمود باش کہ امام حسین بم بیاید

چوں آمدند قلم را تراشیدہ بدست والد ماجد دادند در آں وقت حال نسبت و علم تقریر دیگر گویا شد

چنانچہ مستفیضان سابق ہرگز احساس نسبت سابق نمی کردند۔“

”جب والد ماجد مکہ معظمہ پہنچے تو حضرت امام حسن کو خواب میں دیکھا، حضرت نے (شاہ صاحب کے) سر پر ایک چادر ڈالی اور ایک قلم عنایت کیا اور فرمایا یہ میرے نانا (علیہ السلام) کا ہے۔ اس کے بعد فرمایا ٹھہریے، امام حسین بھی تشریف لارہے ہیں، جب وہ تشریف لائے تو انھوں نے قلم کو تراش کر والد ماجد کے ہاتھ میں دیا۔ اسی وقت سے نسبت باطن، علم اور تقریر کا رنگ اتنا بدل گیا کہ جن لوگوں نے (شاہ صاحب سے) پہلے استفادہ کیا تھا وہ سابقہ نسبت کا احساس تک نہیں کرتے تھے۔“

جو پڑھا لکھا تھا نیاز نے

”پدر من وقت رخصت از مدینہ از استاد خود عرض کرد و او خوش شد کہ ہر چہ خواندہ بودم فراموش کردم الا علم دین یعنی حدیث۔“

”میرے والد نے مدینہ منورہ سے رخصت کے وقت اپنے استاد سے عرض کیا جس سے وہ خوش ہوئے کہ میں نے علم دین یعنی حدیث کے علاوہ جو کچھ پڑھا تھا اسے بھلا

سند حدیث

”چہارمہ ماہ در حرمین بود و سند کردہ بعض جا استاد می فرمود معنی ایس حدیث تو بفرما و در سند اجازت نوشتہ سند از من کرد اگر چہ بہ از من ست۔“ ص ۹۳

”(والد ماجد) چودہ ماہ حرمین میں رہے اور سند حاصل کی بعض مقام پر استاد فرماتے تھے اس حدیث کے معنی تم بیان کرو۔ اور سند میں لکھا کہ انھوں نے مجھ سے سند حاصل کی ہے، اگر چہ یہ مجھ سے بہتر ہیں۔“

تقسیم کار

”حضرت والد ماجد از ہر یک فن شخصے تیار کردہ بودند طالب ہر فن باوے می

سپردند و خود مشغول معارف گوئی و نویسی می بودند و حدیث می خوانیدند بعد مراقبہ ہر چہ بکشف می رسیدی نگاشتند مرخص ہم کم می شدند عمر شریف شصت و یک سال چہار ماہ شد۔“

”حضرت والد ماجد نے ہر ایک فن کے لیے ایک شخص کو تیار کر دیا تھا اور ہر فن کے طالب علم کو اس کے (فاضل کے) سپرد کر دیتے تھے۔ اور حقائق و معارف بیان اور تحریر کرنے میں مشغول رہتے تھے اور حدیث کا مطالعہ کرتے رہتے تھے۔ مراقبہ کے بعد جو کچھ کشف ہوتا تھا اس کو لکھ لیتے تھے، بیمار بھی کم ہوتے تھے۔ آپ کی عمر اکٹھ سال چار ماہ ہوئی۔“ (ص ۴۰)

ضبط اوقات

”مثل والد ماجد شخصے کم بنظر آدم سوائے علوم و کمالات دیگر در ضبط اوقات، چنانچہ بعد اشراق کہ می نشست تا دو پہر زانو بدل نمی کرد و خارش نمی نمود و آب دہن نمی انداخت۔“ (ص ۴۳)

”دیگر علوم و کمالات کے علاوہ ضبط اوقات میں بھی والد ماجد کی طرح کم ہی کوئی آدمی نظر آیا۔ اشراق کے بعد جو بیٹھتے تھے تو پہلو بھی نہ بدلتے تھے۔ کھجاتے تھے، نہ تھوکتے تھے۔“

”مسیحا“

”بندہ راعورات“ ”مسیحا“ شمی گفتند و چشم آں کہ در شب بست و پنجم رمضان و قت سحر تولد شدہ بودم چوں والدین را کو دک بسیار مردہ بودند مگر برائے من آرزو کمال بود در اں ہجام بزرگان بسیار و اولیاء بسیار رازیا راں والد ماجد مثل شاہ محمد عاشق و مولوی نور محمد وغیرہ محکف مسجد ہدای بودند پس مارا غسل دادہ در محراب انداختند گویا نذر خدا کردند پس بزرگان مارا قبول کردہ از طرف خدا انعام کردند۔“ (ص ۱۰۹)

”بندہ (شاہ عبدالعزیز) کو عورتیں ”مسیحا“ کہتی تھیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں

۲۵ رمضان کی شب میں بحر کے وقت پیدا ہوا ہوں، چوں کہ والدین کے بچے بچتے نہیں تھے اس لیے میری بڑی آرزو تھی۔ میری ولادت کے وقت بہت سے بزرگ اور خدا رسیدہ حضرات مثلاً شاہ محمد عاشق اور مولوی نور محمد وغیرہ اسی مسجد میں محکف تھے (ولادت کے بعد) مجھے غسل دے کر مسجد کے محراب میں ڈال دیا گیا ان بزرگوں نے مجھے قبول کر کے خدا کی طرف سے انعام (میں واپس) عطا کیا۔

شفقت پدری

”والد ماجد بے بندہ طعام نمی خوردند“

”والد ماجد میرے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے۔“

شاہ صاحب کی تقریر

”تقریر والد ماجد در درس وغیرہ و تقریر اکثر مرقص می شد“

”درس وغیرہ میں والد ماجد کی تقریر و تقریر اکثر رقص آور (لذت بخش و لطف انگیز) ہوتی تھی۔“

نسبت ہشتیت

”در ابتدا والد ماجد ہم ہوں غالب بود بعد ازاں انقلاب شد“ (ص ۸۲)

”ابتدا میں (جد امجد کی طرح) والد ماجد پر بھی نسبت ہشتیت کا غلبہ تھا، بعد میں انقلاب ہوا۔“

شاہ صاحب اور شیعیت

”شخصی از والد ماجد مسئلہ تکفیر شیعہ پر سید آں حضرت اختلاف حنفیہ دریں باب کہ

است بیان کردند، چوں مکرر پر سید ہماں شنید شنیدم کہ می گفت کہ ایں شیعہ ست۔“

”ایک شخص (متعصب سنی) نے والد ماجد سے شیعہ کے کفر متعلق سوال کیا، آپ

نے (اس کی مرضی کے خلاف) اس باب میں احناف کا اختلاف بیان فرمایا (یعنی کفر پر

اتفاق نہیں ہے) اس نے دوبارہ دریافت کیا اور یہی جواب پایا تو میں نے سنا ہے کہ کہنے لگا کہ یہ (خود) شیعہ ہیں۔“

شیعوں سے قرابت

”بعضے از اقرباء^۱ قریبہ ماہیغہ غالی اند“۔ ص ۳۷

”ہمارے بعض قریبی اعزہ غالی شیعہ ہیں۔“

کرامت

”در وقت طفلی بیمار بودم حکیمے تدوی کر و مستیاب شدم والد ماجد آں را حکم فرمودند کہ مارا چوں خوش ساختی بگو در حق تو دعائے کم ہر چند خلاف وضع شریف بود لیکن فرمودند عرض کرو کہ نوکر شوم در ہموں ہنگام بلکہ شب صدرو پیہ راع سواری تعیناتی نوکر شد چوں آمدہ عرض کرو آں حضرت از زبان مبارک فرمود: ہمت شما قاصر بود کہ بردنیا آں ہم حقیر اکتفا کردید“ (ص ۴۳-۴۴)

”میں لڑکپن میں بیمار تھا ایک حکیم صاحب نے علاج کیا میں صحت مند ہو گیا، والد ماجد نے اپنی وضع کے خلاف ان سے کہا، بتائیے میں آپ کے حق میں (کیا) دعا کروں؟ کہا: میں نوکر ہو جاؤں، اسی زمانے میں بلکہ اسی رات سو رو پیہ تنخواہ (معہ سواری) پر نوکر ہو گئے، جب حکیم صاحب نے آکر بتایا تو حضرت نے زبان مبارک سے فرمایا آپ کا حوصلہ ہی پست تھا کہ دنیا اور وہ بھی اس کے حقیر جیسے پراکتفا کی۔“

طب

”حکمت ہم در خاندان کما معمول بود چنانچہ جد بزرگ وار و علم فقیر دوامی کردند والد ماجد و بندہ موقوف ساختہ۔“ (ص ۲۲)

”ہمارے خاندان میں طب کا بھی مشغلہ تھا چنانچہ جد بزرگ وار (شاہ عبد الرحیم) اور عم فقیر^۲ (شاہ اہل اللہ) مطب کرتے تھے، والد ماجد اور میں نے یہ سلسلہ موقوف کیا ہے۔“

”ہر چند کہ والد ماجد ماہنا بردوا و طبابت بحسب مصلحت دیگر منع فرمودہ بودند لیکن خوب چیز است گویا بان بخشی“ (ص ۴۳)

”اگر چہ والد ماجد نے کسی مصلحت سے علاج اور مطب کرنے سے روک دیا تھا لیکن (یعط) ہے خوب چیز گویا (بعض حالات میں تو) جاں بخشی ہے۔

شاہ صاحب کی غزل^۱

مدار بخش نامی ایک قوال کی درخواست پر شاہ صاحب کی ایک غزل شہادت فرمائی۔

من ندانم بادہ ام یا بادہ را پیانہ ام
عاشق شوریدہ ام یا عشق با جانانہ ام
بتلائے حیرتم جاں گیمیت یا جانِ جاں
اصطلاح شوق بسیارست و من دیوانہ ام
میل ہر غصہ بود سوء مقرر اصلیش
جذبہ اصل است سرشورش مستانہ ام
شوق موی در ظہور آورد نارِ طور را
در نہاد شمع آتش می زند پروانہ ام
اے امین! بر مستقیم نام تجہ دہمت است
در ازل پیش از زماں تعمیر شد میخانہ ام

ایک اور غزل:

گر بگلشن بگذری گل بر رخت مفتوں شود
در نمائی قامت خود سرو را میوزوں شود

کارِ با معنی ست دانا را نہ با نام و نشان
جذبہ لیلی ندارد بید اگر مجتوں نہ شود!
مردِ مفلس را جہاں بیکر محلِ آفت ست
شیشہ گر خلیت گر بادش رسد واژوں شود

ایک رباعی:

در صحبتِ اہلِ دل رسیدیم بے
بس درویزہ کناں زمانے یک نفسے
از چشمِ آبِ زندگانی قدمے
و ز آتشِ وادیِ مقدس قدمے

ایک قطعہ:

”در تعریف تشریف بردن والد ماجد خود بہ گفتن صاحب زادہ در حق شیخ آدم بنوری

و ناراضی شان“

”اپنے والد ماجد (شاہ ولی اللہ) کے کہیں تشریف لے جانے اور ایک لڑکے کے

شیخ آدم بنوری کی شان میں گستاخی کرنے اور والد ماجد کی ناراضی (کا ذکر کر کے ان کا یہ قطعہ

پڑھا)“

شخصے بخوردہ گیری ما عاجزاں قناد
زاں زو کہ در طریقہء مخدوم آدمیم
گفتم کہ حرفِ راست بگویم ز ما رنج
تو آدمی نبودی و ما آدمی شدیم

ومیت نامہ

”ارشاد شد کہ ومیت نامہ والد ماجد نقل کردہ بگیرند بسیار نافع است“ (ص ۷۵)

”فرمایا: والد ماجد کا رسالہ وصیت نامہ نقل کر کے رکھیں بہت مفید ہے۔“

مسئلہ فقہی

”دریں مقدمہ اختیار حضرت والا خوب است یعنی اگر یکے از مجتہدین بآں عمل کردہ باشد ترجیح حدیث است عمل کند والا ترک و بد چہ کہ خالی از سبب سکوت ہمہ ہانیت و ایں چنین شاید چہار حدیث خواہند بود۔“ (ص ۹۱)

”اس (تقلید کے) مسئلہ میں والد ماجد کا مسلک خوب ہے، اگر ائمہ مجتہدین میں سے کسی ایک نے بھی اس حدیث پر عمل کیا ہو تو ترجیح حدیث کو دی جائے گی ورنہ حدیث کے بجائے قول مجتہد پر عمل کیا جائے گا اس لیے کہ تمام ائمہ مجتہدین کا سکوت (اس حدیث پر عدم عمل) بے سبب نہیں ہو سکتا اور اس قسم کی شاید تعداد میں چار ہوں گی (جن پر کسی ایک امام کا بھی عمل نہ ہو)۔“

ایک فتویٰ

”آں حضرت فرمود کہ از ابی داؤد حدیث نقل می کنند کہ آن حضرت جبکہ خون آلود حیضی زنہ را برائے صفائی از نمک شستن فرمودہ بود چوں نمک ہم چیز محترم است و طعام ہم محترم پس درست شد کہ از آرد و غیرہ اگر چہ آرد و گندم باشد درست باید شست لیکن چیز ہائے دیگر سوائے طعام کہ دریں مادہ بکار می برند بہتر است والا آرد ہم جائز باشد۔“ (ص ۹۰)

”(اس سوال پر کہ کھانے کے بعد آنے سے ہاتھ دھونے کا کیا حکم ہے؟) آپ نے فرمایا: ابو داؤد سے منقول ہے کہ آن حضرت (علیہ السلام) نے ایک عورت کے خون حیض سے آلودہ کپڑوں کو نمک سے دھو کر صاف کرنے کا حکم دیا تھا اور چوں کہ نمک بھی محترم ہے اور کھانا بھی اس لیے آئے وغیرہ سے چاہے وہ گہیوں کا آٹا ہی کیوں نہ ہو ہاتھ دھونا درست ہے، لیکن کھانے کی چیزوں کے علاوہ دوسری چیزوں سے جو اس کام میں لائی بھی جاتی ہیں

ہاتھ دھونا بہتر ہے۔

ایک جزیرہ

”شخصے از قبلہ گاہی عرض می کرد کہ در جزیرہ رفتہ بودم انجا سوائے نارجیل و مای از قسم طعام نمی شود مگر این کہ از ملک دیگر بر بند چنان چہ آں کس را بہشتا دو دو طعام از ترکیب ہمیں دو پزیدنی دایم“ (ص ۱۱۸)

”ایک شخص نے حضرت قبلہ سے عرض کیا کہ میں ایک جزیرہ میں گیا تھا، وہاں کھوپرے اور مچھلی کے علاوہ کھانے کی اور چیز دستیاب نہیں ہوتی الا یہ کہ کسی دوسرے مقام سے لے آئیں، چنانچہ اس شخص کو بیاسی قسم کے کھانے انہی دو چیزوں سے پکانا آتے تھے۔“

چین میں بلی

”در ملک چین گر بہ کم ترمی باشد و موش ہا بسیار جری شخصے از والد ماجد نقل می کرد کہ ہم راہ من گر بہ بود تا جائے کہ در چین می روند رستم دیدم کہ گلولہ باز اں در وقت طعام را بچہ برائے رفع موشاں می استاند می گفتم جانورے در ہند بہ پانصد روپیہ می آید از آواز ش موشاں می رمند چنانچہ فرو ختم از آواز ش بالکل موشاں ر میدند۔“ (ص ۱۷)

”چین میں بلی بہت کم ہوتی ہے اور جو بے بڑے دلیر ہوتے ہیں۔ ایک شخص نے والد سے بیان کیا کہ میرے ساتھ ایک بلی تھی اور چین میں جہاں تک جاتے ہیں (جاسکتے ہیں) میں گیا، میں نے دیکھا راجہ کے کھانے کے وقت گلولہ باز جو ہوں کو بھگانے کے لیے کھڑے رہتے ہیں۔ میں نے کہا ہندوستان میں ایک جانور پانچ سو روپیہ میں آتا ہے، اس کی آواز سے جو بے بھاگ جاتے ہیں، چنانچہ میں نے بلی وہاں بچ دی اور اس کی آواز سے جو بے بھاگ گئے۔“

عذاب قبر

قصہ عجیب است پیش حضرت والد ماجد بقسم غلیظی گفت یعنی کشمیریے بطرف ملک دکن رفتہ پیش راجہ در فرقہ باور چیاں نوکر شد بعد مر دیش موافق دستور آں جائجملہ جماعہ خدام خاص ہاں کس را ہم در سردا بہ نہادند، چہ می بیند وقت شب و دفرشتہ مبیب چنانچہ در حدیث آمدہ است آمدند از خوف آنہا بگوشہ رفتہ معلوم نیست مارا چہ سوال و جواب شد آخرش اورای زدند اعضائش ریزہ ریزہ شدند ما ہم بے ہوش شدیم و بعضے مردند من کلمہ می خواندم و دفرشتہا جانب من دیدند و مارا بعد از گفتن کہ چہ آمدہ بودی در کشمیر رسانیدند پارچہ از اعضائش کہ بہ بدن من ریزہ شدہ رسیدہ بود سوزش آں نمی رفت ہر چند معالجہ کردم بہ نمی شد درحالی آمدیم پیش بزرگان و اطباء رجوع کردم بچاقو فائدہ نہ شد مگر عمر شاہ ابوالرضا محمد درود فرمودند تا چنانکہ بردست تہ زودہ بر آں می مالیم تسکین می نماید سخت جنگ ہستم۔“ (ص ۶۸، ۶۹)

”حضرت والد کے سامنے سخت قسم کھا کر ایک عجیب و غریب قصہ بیان کیا ایک کشمیری ملک دکن کی طرف گیا اور راجہ کے یہاں باورچیوں میں ملازم ہو گیا۔ اس کے مرنے کے بعد وہاں کے دستور کے مطابق دوسرے خاص خادموں کی نعش کے ساتھ سردخانے میں رکھا۔ کیا دیکھا کہ رات کے وقت دو فرشتے ڈراؤنی صورت جیسا کہ حدیث میں آیا ہے آئے۔ میں ان کے خوف سے ایک کونے میں چلا گیا۔ مجھے معلوم نہیں کیا سوال و جواب ہوئے۔ آخر کار اس کو مارتے تھے اس کے اعضاء ریزہ ریزہ ہو گئے۔ ہم بے ہوش ہو گئے اور بعض مر گئے۔ میں کلمہ پڑھتا تھا اور فرشتے میری جانب دیکھتے اور مجھ سے دریافت کرنے کے بعد کہ یہاں کیوں آیا کشمیر پہنچا دیا، اس کے اعضاء جو ریزہ ریزہ ہو گئے تھے، اس میں سے ایک ٹکڑا میرے جسم کو لگ گیا اس کی سوزش نہیں جاتی، بہت کچھ علاج و معالجہ کیا لیکن فائدہ نہ ہوا، دہلی آیا ہوں بزرگوں اور طبیبوں کی طرف رجوع کیا لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ آپ کے چچا ابوالرضا محمد نے فرمایا کہ اس طرح درود شریف پڑھ کر ہاتھ پر دم کرتا ہوں اور اس جگہ

ماتا ہوں اس سے تسکین ہوتی ہے۔ بہت زیادہ تنگ ہوں۔“

حواشی

۱۔ مکر معلوم ہوتا ہے بعد میں فرصت نہیں ملی یا انہیں رہا کیونکہ بعد میں بھی یہ اصل ملحوظ نہیں ملتا۔

۲۔ الجزء اللطیف ص ۱۹۳ مطبع احمدی دہلی

۳۔ انسان العین فی مشائخ الحرمین و انفاص العارفین (ص ۱۹۲)۔ ”ایں فقیر برائے وداع نزدیک شیخ ابوطاہر رفت ایں بیت بر خواند

نیت کل طریق کنت اعرفہ

الا طریقاً یودعنی الا ربعم

بحر و شنیدن آں بکار شیخ غالب آمد و بغایت متاثر شد۔ فیوض الحرمین (مطبع احمدی ص ۲۱) میں یہ واقعہ اس طرح ہے: ”میں ۱۰ صفر ۱۱۳۳ھ کی رات میں خواب میں دیکھا کہ حسن و حسین رضی اللہ عنہما میرے گھر تشریف لائے ہیں اور حضرت حسن کے ہاتھ میں قلم ہے جس کی نوک ٹوٹ گئی ہے آپ نے مجھے بخشے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ اور فرمایا یہ ہمارے نانا رسول اللہ ﷺ کا قلم ہے۔ پھر فرمایا (نمبر و) تا کہ حسین اُسے صَبک کر دیں۔ یہ قلم ویسا نہیں جیسا حسین نے اُسے بنایا تھا۔ پھر حسین نے لے لیا اور مجھے عنایت فرمادیا جس سے میں خوش ہوا پھر ایک چادر جس پر ایک سفید و حارِی تھی اور ایک سبز، ان دونوں کے سامنے لا کر رکھی تھی، حضرت حسین نے وہ چادر اٹھائی اور فرمایا یہ میرے نانا کی چادر ہے (عَبَّاسِی) اور مجھے اُڑھا دی۔ میں نے اُسے اپنے سر پر رکھ لیا اور اللہ تعالیٰ کا شکر کیا پھر میں خواب سے بیدار ہو گیا۔“

۴۔ سید ظہیر الدین احمد (تذویل الاحادیث ص ۸۷) کے بیان سے مطابق شاہ صاحب ۸ ربیع الثانی ۱۱۳۳ھ کو روانہ ہوئے تھے اور ۹ جب ۱۱۳۵ھ کو واپس ہوئے (الجزء اللطیف ص ۹۳) اس طرح کل ۲۸ سو سفر میں گزرے۔ ان میں سے ۷، ۷، ۷ اور ۷ دورِ رفت میں گزرے اور ۴ گاہِ حرمین میں حاضری رہی۔

۵۔ مسجد کا حوالی نقطہ ”میت“ ہے، اسی کی نسبت سے ”مسجد“ ہے یعنی مسجد والا، جسے مسجد بنی نذر کیا گیا۔

۶۔ مثلاً میر قمر الدین منت جو شاہ صاحب کے قریبی عزیز اور شاگرد بھی تھے شاہ صاحب نے مجلہ نافعہ انہی کے لیے لکھا تھا۔

۷۔ ”در طب حدس ایساں بغایت سلیم و رسا بود“ یوارق الولاہیت از شاہ ولی اللہ ص ۸۴
۸۔ شاہ اہل اللہ ص ۱۱۸ھ

۹۔ حیات ولی (ص ۵۰۶) میں اس غزل کے حسب ذیل دو اشعار کا اضافہ ہے۔

با جمال ذاتیں حسن دگر درکار شد

چشم او را سرمہ ام یا زلف او را شانہ ام

عافل از خود ماند از صورت چو پر شد آئینہ

تا ترا بشنا ختم جانوں زخود بیگانہ ام

-- مگر ملفوظات کا شعر نمبر ۴ حیات ولی میں نہیں ہے۔

۱۰۔ بید مجنوں پر شاہ عبدالعزیز نے بھی طبع آزمائی تھی۔

ز نازک طبع غیر از خود نمائی ہا نمی آید

درخت بید را دیدم کہ دائم بے ثمر باشد

ص ۴۳ مگر حیات ولی میں اس شعر کو شاہ ولی اللہ صاحب کی طرف منسوب کیا ہے ص ۵۱۱

۱۱۔ وصیت نامہ المقلات الوصیۃ فی الصیغۃ والوصیہ کے نام سے فارسی میں ایک مختصر رسالہ ہے جو

ہوگی (بجگال) سے پہلی بار شائع ہوا تھا۔ ہمارے فاضل دوست پروفیسر محمد ایوب قادری ایم اے نے یہ

وصیت نامہ مترجم چند دوسرے وصیت ناموں کے ساتھ دسایا ہے اربعہ کے نام سے مرتب کیا ہے اور شاہ

ولی اللہ اکبیدی کی طرف سے شائع ہوا۔

شاہ ولی اللہ کے فارسی اشعار

فراغت یافتم از حج و عمرہ
 چو احرام سر کوئے تو بستم
 چو دیدم روئے زیبائے تو جاناں
 ز تشویش وجود خویش رستم
 بیا ساقی بدہ جام شرابے
 کہ محو صبحی استم

--- مکتوبات مع مناقب امام بخاری ص ۱۳ ---

محبت نام جوش طبع و میل نفس گر باشد
 سر اہل محبت در دو عالم گاؤ خر باشد
 ز نازک طبع غیر از خود نمائی بانمی آید
 درخت بید را دیدم کہ دائم بے ثمر باشد
 بوسعت مشرباں رنگ تعلق در نمی گیرد
 اگر نقش زنی بر روے دریا بے اثر باشد^۱

۱۔ یہ شعر ہمععات میں بھی ہے، ترجمہ اردو طبع ۱۸۸۸ء

صفا طبع می خواہی صحبت دامن اندر کش
کہ آب دور از مردم ہمیشہ بے کدر باشد
----- مکتوبات ص ۱۳

مزاج صاف طبعان را بغیرت در نمی سازد
مکدر گردد آب صاف چوں یکجا وطن گیرد
----- ص ۱۳

صفا با جہٹ باطن نیز گاہے جمع می گردد
بر دبالوہ را چوں درد بنشیند تماشا کن
ہرزہ کردی مانع نور دل ست اے ہوش مند
سیل تا نشست یک جا با طش صافی نشد
دوائے درد من! بر خنج اضداد تو می لازم
نمک ریوہ دل مجروح من ہستی و مرہم ہم
جہان و جاں فدائے وضع شوخ شہر آشوبت
قیامت می نمائی و دم عیسی و مریم ہم
توئی اول توئی آخر توئی ظاہر توئی باطن
توئی مقصود اہل دل توئی مشتاق ہمدم ہم
زیک منبع دریں جا مختلف فوارہ می جوشد
مزاج حرمی قادوں زہد ابراہیم ادرہم ہم
بخارے از زمیں خیزد بیاد بخور در آمیزد
گہے باران ریزان ست گاہے برف و شبنم ہم
کدای طرفہ نیرنگی، دریں کاشانہ سر دادی
کہ عالم پاسے کوب از دست عشقت گشت و آدم ہم
----- مکتوبات ص ۱۳

رباعی

تا غنِ بختی مدرک خواہندہ دل ست
تا تو سن تا زندہ و پا زندہ دل ست
گویم جو رحے گر بھی آں را
ایں گوہر تابندہ بخود زندہ دل ست
----- مکتوبات ص ۱۴

ناگزیر تو منم اے دل پذیر!
زود مکرہاں بعد ازیں از ناگزیر
من ترا مشفق ترم از صد پدر
در من آویز و مرا محکم بگیر
غیر من گر با تو بانست بود
آں وبال ست و عذاب ست و سیر
جان من در حجر یار خود بسوخت
من عذاب الجہر اجرنی یا مجیر!
بے قرارم روز و شب بے رُوع یار
باز ہما رُوع یارم یا قدیر!

اندروم بے جہاش تار شد
کے شود یارب بوصلش مستغیر
اتے برادر بعد از ہا ہشیار باش
فرق می کن در میان شیر و شیر
----- مکتوبات ص ۱۴

غزل

نخستیں بادہ کاندہ جام کردند
 حریفش عکس آں گلفام کردند
 ز دریائے قدم موجے برآمد
 مرا در بحر امکاں نام کردند
 ہویدا شد در امکاں صورت حق
 بآں صورت جہاں را رام کردند
 ہمیں بایست تحصیل ازیں زد
 ہیکام را بہا اتمام کردند
 شراب وحدت از خم خانہ غیب
 مرا صبح ازل در کام کردند
 چو غلطیدم ز مستی بہر سو
 حریفان مستی ازین دام کردند
 حقیقت را کہ مستور از نظر بود
 بہا مشہور خاص و عام کردند
 پس آں کہ موج دریا باز گردید
 با تمام فنا اکرام کردند
 ایں! رحمت دقتی با تو گویم
 بخود آغاز و نیز انجام کردند
 ----- مکتوبات ص ۱۶ ص ۱۷

دے دارم زخود خالی حبابش می توں گفتن
 درو کھیچے جوشِ شرابش می توں گفتن
 وجود بے نمود معنی ما دیدنی دارد
 دریں نیرنگها بوئے گلابش می توں گفتن
 سیدائے دل ما یابی اندر بچ و تاپ اُد
 نقوشِ عالم اُمّ اللّٰتِش می توں گفتن
 فردِ پاشید از ہم کثرتِ موبوم چوں شبنم
 ز فیضِ معنی ما آفتابش می توں گفتن
 ----- مکتوبات ص ۳۲

بزلجِ بچ در بچ کے گم کردہ ام خود را
 خروشے در دل شبہا نمی کردم چه می کردم
 دل پرورد و جاں افکار و یار تند خو دارم
 جہاں را بُد ز یارِ بیانی نمی کردم چه می کردم
 غم تحصیل و بارِ شغل و دردِ عزل می بینم
 جنون ترک منصبی نمی کردم چه می کردم
 کسے با گل ہی سازد کسے بائل ہی بازو
 اگر من یادِ آں لبہا نمی کردم چه می کردم
 نئے تحقیق را از خمِ مشربہا بروں دیدم
 خروج از قیدِ مشربہا نمی کردم چه می کردم
 حجابِ وصلِ مطلوب ست دل بستن بمطلبہا
 امیں! گر ترکِ مطلبہا نمی کردم چه می کردم

مکتوبات ص ۳۲

ساقی! کرے کز ہوش خود اتم
 من بار خودم از دوش خود اتم
 در من بجا خود را اے میر تباں!
 مفتوں شدہ بر خود مدہوش خود اتم
 مثل مئے جوشاں کز خم بدر افتد
 جوشے زده بر خود از ہوش خود اتم
 از ہر بن مو جوشد مستی دیگر
 از فرط تماثل از آغوش خود اتم
 از تیز زبانی آزرده دلم من
 خوش آں کہ زمانے خاموش خود اتم
 ”ایں غزل از مزاحیات بحر بیضا است مستعملین چہار بارو آں در قاری کم
 یافتہ“ منہ قدس سرہ“
 (مکتوبات ص ۳۲)

تا کے محبت و رنجوری دوری بکشم
 ہر تین دہم سوے وطن باز روم
 تا کے با خس و خاشاک بود صحبت من
 صد ہم چم سوے چمن باز روم
 تا کے بھری سنگ شو شیوہ من
 گوہرے از عظم سوے عدن باز روم
 تا کے بے زنجیر حلق باشم
 آہوئے از عظم سوے حق باز روم

نوعے جاں می رسد از یار یمن در دو جہاں
شاہ ملک یختم نوے یمن باز روم
----- مکتوبات ص ۳۲

من ندانم بادہ ام یا بادہ را بیانہ ام
عاشق شوریدہ ام یا عشق با جانانہ ام
بتلائے حیرتم جاں گویت یا جانِ جاں
اصطلاح شوق بسیار ست و من دیوانہ ام
میل ہر غصہ بود سوے مقرر اصلیش
جذبہٴ اصل است سر شورش مستانہ ام
شوق موسیٰ در ظہور آورد نایہ طور را
در نہاد شمع آتش می زند پروانہ ام
با جمالِ ذاتش حسن دگر درکار شد
چشم او را سرمہ ام یا زلف او را شانہ ام
غافل از خود ماند از صورت چو شد آئینہ
تا ترا بشناختم جانوں ز خود بیگانہ ام
اے امین! پرستیم نام تجہ و تہمت است
در ازل پیش از زماں تعمیر شد میخانہ ام
----- ملفوظات شاہ عبدالعزیز ص ۱۰

در صحبت اہل دل رسیدیم بے
پس درویزہ کتاں ز ما ہر کسے یک نفسے

۱۰۱۔ عیدِ دہنوں شہر حیاتِ دلی سے لیے گئے ہیں۔

از چشم آب زندگانی قدحے
و ز آتش وادی مقدس قصبے
----- ملفوظات ص ۱۰

(در تشریف بردن والد ماجد و پیدگفتن صاحب زادہ در حق شیخ آدم بنوری و تاراضی شاہ)

شخصے بخورد و گیرئی ما عاجزاں قنار
زاں رو کہ در طریقہ مخدوم آدمیم
گفتم کہ حرف راست بگویم ز ما مرغ
تو آدمی نبودی و ما آدمی شدیم

(تغیر در بعض اوقات دو بیتے کہ گفتہ بود آں را تا اثرے دیدہ بودہ است)

رباعیات

علمے کہ نہ ماخوذ مشکوٰۃ نبی ست
واللہ کہ سیرابی ازاں تشنہ لبی ست
جائے کہ بود جلوۂ حق حاکم وقت
مانع شدن حکم خرد بولہبی ست

دانی کہ چہ بود نچ قدیم اے دلدار
شغل دل تو ظاہر و باطن با یار
ایں را شدی از درس عوارف عارف
واں فن و گر باز بگیر از احرار
در مذہب ما بہت ز اسباب غرور
ذکرے کہ بود عاطل از انوار ظہور

در حاشیہ نفی نہ شو از خلف نفور
در جانب اثبات برو سوسے غفور

مستی و ولولہ شرط طریق افتاد است
بے مست شدن کار کے نکشاد ست
در ذکر خفی حیر تحفیل کردن
شرط ست و ز استاد طریق یاد ست

خواہی کہ مئے حرفت محبت نوش
باید کہ بتخلیل علائق کوش
دل را ز خیالات جہاں صرف کنی
چشم از صور مملہ عالم پوشی

در عشق تو از جملہ جہاں بگذشتم
و ز ہر چہ بجز یاد تو زان بگذشتم
مقصود من بندہ بجز وصل تو نیست
اندر طلبت از دو جہاں بگذشتم

دائم دل من پیش تو حاضر باشد
چشم بر بخ خوب تو ناظر باشد
در مذہب ما شرک جلی ست و صریح
کز سوسے دگر خطرہ خاطر باشد

دانی چه بود سهل کثیر البرکات
در مشرب اہل دل وجود عدمات
تحصیل علوم هست بسی مانع
در غمی خواطر و در سید جہات

خوش آن کہ بانوار وضو رنگین ست
زیرا کہ طہارت ز اصول دین ست
تغیر دل و غمی خواطر خواہی
اقوی ذریعہ حصول این ست

تحصیل عدم اگر ندانی کردن
باید نظر اہل فایت جستن
این داء عضال را دوائے بہ ازیں
در حکمت اہل دل نخواہی دیدن

آنان کہ ز اداس بھمی رستند
بالجہ انوار قدم پیوستند
فیض قدم از جنت ایشان می جو
دروازہ فیض قدس ایشان ہستند

آن ذات کہ از قید جہت بیرون ست
از حیطہ اسماء و صفت بیرون ست

در هر مرتبه زان ذات نشانے دارد
 هر چند ز تعیین است بیرون است

بر مدرکه شد منظم آن یار عجیب
 ظاہر شده از صورتش آثار عجیب
 در لوح دل از ثبت کنی صورت او
 پیدا شود از لوح دل اسرار عجیب

قوس بکایت حرف موصوف
 جمیع تلاوت اسماء معروف
 شخصے کہ ازین قدم قدم پیش نهاد
 گشت است باین صورت دینی شغوف

اے دوست توئی دیدہ و یتائی من
 شتوئی و دانائی و گویائی من
 عشق تو و دل غم دیدہ من
 و اند دل غم دیدہ شکلی من
 القول لیلی من ۳۳

ز دلی بآمد دلی بہر حج
 بہ ہشتم صبح از رجب دوم

ہزار و صد و چہل و سہ سال بود
کہ ایں داعیہ گشت با فعل ضم

دلی چوں پس از حج بدلی رسید
سر آمد سحر، منقطع گشت رنج
بتاریخ رابع عشر از رجب
ز سال ہزار و صد و چہل و پنج
القول لکھی، ص ۳۹

کہ باور دارد ایں حرف از فقیر خاکسار من
کہ ظن عالم قدس است انکار و قبول او
نہ دارد باطش از خویش آئینہ صفت زنگ
طلسم حیرت آموزست حکمین و فصول او
شعاع آفتاب از راہ ایں روزن ہمیں ریزد
بجز ایں نکتہ نتوان بست مضمون وصول او
خیاب آسا ز خود خالی ز سطح بحر می جوشد
وجود او، نمود او، شہود او، حصول او
القول لکھی، ص ۳۶

تحریک ولی اللہی

کیا وہ کامیاب رہی؟

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مقام و مرتبت کی عظمت و جلالت میں کلام و گفتگو کی گنجائش نہیں ہے۔

لیکن اگر علم مقام، قبول عام کو مستلزم نہیں ہے تو اس مسئلے میں اختلاف آراء کی گنجائش ضرور ہے کہ

”شاہ صاحب کی تحریک کامیاب بھی رہی یا نہیں؟“

اس موضوع پر ہمارا حاصل فکر و مطالعہ استفادہ پیش خدمت ہے۔

ماضی میں افکار و نظریات کی ترویج و اشاعت کے اولین ذرائع بالعموم دو ہوتے تھے۔

اخلاف و تلامذہ

تصانیف و تالیف

مطلب یہ ہے کہ عہد ماضی میں کسی مفکر کے نظام فکر کی اشاعت اور ترویج کی صورت یہ

ہوتی تھی کہ وہ اپنی زندگی میں اپنی تحریروں میں اپنے انداز فکر اور طرز تحقیق کا ابلاغ کرتا اور اپنے شاگردانِ تحقیق پیش کر کے بساطِ حیاتِ لپیت دیتا تھا۔ اس کے بعد اس کی تربیت کردہ جماعت (اخلاف و تلامذہ) آتی تھی، یہ لوگ اسی کے انداز فکر پر سوچتے، اسی کی زبان میں بات کرتے اور

اسی کی تحقیقات کو اپنی تحریروں میں نشراتے تھے۔ اس کے اجمال میں تحصیل کارنگ بھرتے، اس کے بعد ضعیف دلائل کو قوی کرتے، اس کے وعادی میں امثلہ و نظائر کی کمی ہوتی تو اسے دور کرتے، اس کی کسی عبارت میں خلا ہوتا تو اسے پر کرتے، اس کے غیر مرتب کو مرتب کرتے اور اس طرح بلا آخر ایک فرد ایک ادارہ، ایک شخص ایک جماعت اور ایک آواز ایک تحریک بن جاتی تھی۔ اور پھر اس تحریک کی کامیابی و ناکامی کے امکانات پیدا ہوتے تھے۔

اخلاف و تلامذہ

شاہ صاحب کے براہ راست اخلاف و تلامذہ کی حالت یہ ہے کہ ان سے کوئی بھی شاہ صاحب کا پورا پورا ہم نوا اور ہم زبان نہیں ہے۔ شاہ عبدالعزیزؒ نہ کلامی خلافت میں ان کے ہم نوا ہیں نہ فقہی خلافت میں، ان کے تحفہ اثناء عشریہ کا رنگ از لہ الخفا اور قرۃ العینین سے مختلف ہے۔ شاہ ولی اللہ سیدنا علی کے انعقاد خلافت کے قائل نہیں ہیں۔ شاہ عبدالعزیزؒ اس کے قائل ہیں۔

شاہ ولی اللہ احناف کے اصول فقہ کو صحیح نہیں سمجھتے، شاہ عبدالعزیزؒ نے اس کی مذکور و مدلل تصویب و تائید کی ہے۔ شاہ صاحب کے چھوٹے بھائی اور شاگرد شاہ اہل اللہ شاہ صاحب کے برعکس "حنفی حقیف" تھے، انھوں نے فقہ حنفی کی کتاب ہدایہ کا خلاصہ کیا، دوسری کتاب کنز الدقائق کا فارسی ترجمہ کر کے اسے رائج کرنا چاہا۔ ملا معین محویؒ پر تشیع کا غلبہ تھا، قمر الدین منت جو شاگرد بھی تھے اور عزیز بھی، شیعہ ہو گئے تھے۔ قاسمی تلامذہ پانی پت سے بڑا شاہ صاحب سے اظہار اختلاف اور تخلیل کی ہے شاہ محمد عاشق کی تمام تصانیف نا اور الوجود ہیں۔ اصل فن حدیث پر نہ شاہ محمد عاشق کی کوئی کتاب ہے نہ شاہ عبدالعزیزؒ کی، حال آں کہ حدیث شاہ صاحب کا خاص فن تھا، شاہ صاحب موطا کو رائج کرنا چاہتے تھے مگر ولی اللہ علی میں رائج نہ ہو سکی۔

شاہ صاحب کا ایک خاص انداز فکر اور مخصوص طرز بیان تھا۔ انھوں نے چند نئی اصطلاحات وضع کر کے اپنی تالیفات میں استعمال کی تھیں۔ چند نئے نظریات پیش کئے گئے مگر شاہ صاحب کے اخلاف اور تلامذہ نہ ان کے انداز پر سوچتے ہیں نہ ان کی زبان میں بات کرتے ہیں نہ

ان کی اصطلاحات استعمال کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ولی اللہی مکتب فکر سے اپنی وابستگی، دل چسپی، اتحاد و اتفاق کا کوئی نمونہ پیش نہیں کرتے۔

ہم نے اب تک گفتگو مدرسہ رحیمیہ تک محدود رکھی ہے کیونکہ شاہ صاحب کے افکار و نظریات کی ترویج و اشاعت کی اولین ذمہ داری اسی حلقے پر عائد ہوتی ہے۔ مگر جب یہی حلقہ خاموش اور کٹا کٹا سا نظر آئے تو بیرون حلقہ ان کی ترویج و اشاعت کی توقع بے جا ہی ٹھہرے گی مگر پھر بھی ہم اس حلقے سے باہر معاصرین و متاخرین کے حلقوں کا جائزہ لیتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ ان حلقوں نے شاہ صاحب سے خصوصی اعتنا کا معاملہ نہیں کیا۔

غلام علی آزاد بلگرامی (ف ۱۷۸۶ء) نے معاصر ہونے کے باوجود شاہ صاحب کا تذکرہ مآثر الکرام میں نہیں کیا، کئی قریب العہد تذکرہ نگاروں نے شاہ صاحب کا تعارف شاہ عبدالعزیز کے واسطے سے کرایا ہے، سعادت یار خاں رنگین۔ ۵

”شاہ عبدالعزیز کے والد“

مرزا علی لطف۔

”والد ماجد ہیں یہ اس رونق بخش کشور قناعت کے جس کا نام نامی مولوی عبدالعزیز ہے۔“

تذکرہ نگاروں کو چھوڑ کر علماء کی محفل میں چلیے۔ علماء جب کسی شخصیت سے متاثر ہوتے ہیں تو اس کی کتابوں کی شریحیں لکھتے ہیں، اس پر حواشی تحریر کر۔۔۔ یں، اس کی کتابوں کی احادیث و روایات کی تخریج کرتے ہیں یا اپنی کتابوں میں اس عالم کے نظریات سے کوئی معاملہ ابطال یا اثبات کا کرتے ہیں۔ اختلاف کی لے بڑھ جائے تو بات تکفیر و تفسیق و تھلیل تک جا پہنچتی ہے۔ قبول و اتفاق کی صورت میں اس کے اقوال سے استناد و استدلال کرتے ہیں، اس کی کتابوں کو داخل نصاب درس کرتے ہیں۔

شاہ صاحب کے ساتھ اعتنا کی ان اشکال میں سے کوئی بھی شکل اختیار نہیں کی گئی، شاہ صاحب کی تالیفات کی طرف جب ان کے حلقے کے علما نے توجہ نہیں کی تو بدیگراں چہ رسد۔ دیوبند جیسے ولی اللہی مدرسے میں شاہ کی کوئی کتاب داخل نہیں کی گئی تو دوسرے کچھ مدارس کا کیا تذکرہ؟

دیوبند میں شاہ صاحب کے متعلق کیا رائے تھی اس کا اندازہ مولانا سندھی کے اس قول سے کیجئے کہ ان کے دورِ تعلیم میں یہ حالت تھی کہ مولانا محمود حسن کو جب شاہ ولی اللہ یا شاہ عبدالعزیز کی رائے کسی مسئلے میں بیان کرنی ہوتی تو وہ ان حضرات کا نام لینے کے بجائے فرماتے کہ محققین کی اس مسئلے میں یہ رائے ہے کیوں کہ

”حضرت جانتے تھے کہ شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز کی بات سننے کے لیے طلبہ تیار نہیں ہوں گے۔“ ۸

تصانیف و تالیف

شاہ صاحب کی تالیفات کے سلسلے میں پہلی بات تو یہ ذہن میں رکھنے کی ہے کہ ان میں سے (۱) ایک تعداد طبع ہو چکی ہے (۲) ایک تعداد غیر مطبوعہ کتابوں کی ہے جو مخطوطات کی شکل میں کہیں کہیں پائی جاتی ہیں (۳) ایک اور تعداد ان کتابوں کی ہے جس کے صرف ناموں سے دنیا آشناء ہے، ان کے مخطوطات کا کوئی سراغ کم سے کم راقم الحروف کو نہ مل سکا۔

دوسری خاص بات یہ ہے کہ شاہ صاحب کی تالیفات ابتدا ہی سے کم یاب ہیں۔ فتح النجیر، حجة الله البالغہ، البدور البازغہ، ازلة الخفا اور قرۃ العینین جب پہلی بار شائع ہوئیں تو ان کے ناشرین کو ان کے علی الترتیب ایک، چار، تین، تین اور ایک مخطوطے دست یاب ہوئے تھے۔ کم یابی کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے جب یہ دیکھتے ہیں کہ یہ کم یابی سن ستاون کے ہنگامے سے قبل ہی شروع ہو گئی تھی۔ مذکورہ بالا کتابوں میں سے پہلی کتاب ۱۸۳۴ء میں ہوگی سے شائع ہوئی تھی اور ناشر کو صرف ایک نسخہ ملا تھا جب کہ ناشر اسی حلقے سے وابستہ تھا گویا ہنگامہ رستاخیز سے ۲۳ سال قبل اور شاہ صاحب کی وفات کے ستر سال کے اندر اندر ان کی کتابوں کا قحط شروع ہو گیا تھا۔ زیادہ حیرت اس پر ہے کہ یہ قحط شاہ صاحب کے خاندان اور اصحاب سلسلہ ہی میں تھا۔ مولوی سید احمد ولی اللہیؒ جو شاہ رفیع الدین کے نواسے کے پوتے تھے انھوں نے مولوی سید عبدالحی (صاحب نزہۃ الخواطر) سے ہمععات بھیجنے کی فرمائش کی تھی۔ مولوی سید احمد کے خواہر زادے مولوی سید عبدالحی نے جو خود کو

نواسرہ وجانشین حضرت شاہ صاحب لکھتے تھے، جب تمہیمات الہیہ شائع کی تو اس کے آخر میں یہ اپیل بھی شائع کی تھی کہ جن حضرات کے پاس اس خاندان کے اکابر کے رسائل ہوں وہ ہمیں عاریتاً فراہم کریں کہ ہم انہیں طبع کرا سکیں۔

اب شاہ صاحب کے رسائل و کتب کی طباعت و اشاعت کا جائزہ لیجئے۔ ازلاۃ النکاح پہلی بار ۱۲۸۶ھ/۱۸۷۰ء میں بریلی سے شائع ہوئی تھی۔ ازلاۃ النکاح کی وہ اشاعت پہلی بھی تھی اور آخری بھی، اصل فارسی متن آج تک صرف ایک بار شائع ہوا ہے۔ اس واحد اشاعت کی تعداد بھی صرف دو سو تھی۔

البدور البازغہ صرف ایک بار، تمہیمات الہیہ کامل صرف ایک بار، مصغی صرف دو بار، مسوئی صرف تین بار۔ یہ صرف طباعت کا ذکر تھا، اشاعت و فروخت کا حال یہ ہے کہ مسوئی (طبع حجاز ۱۹۳۳ء) کا اشتہار آج تک ”الولی“ (حیدر آباد سندھ) میں شائع ہو رہا ہے۔ مطلب یہ کہ ۴۰/۳۵ سال گزرنے کے باوجود ان کتابوں کے نسخے ابھی تک ختم نہیں ہوئے۔

مختصر یہ کہ شاہ صاحب کے رسائل و کتب میں سے کچھ تو بالکل ناپید و نایاب ہیں، کچھ کے مخطوطات کہیں کہیں سننے میں آتے ہیں باقی جو طبع ہوئے ان کی اشاعت عام نہیں ہو سکی۔ حاصل یہ کہ شاہ صاحب کے مخصوص افکار و نظریات کی ترویج و اشاعت نہ ان کے اخلاف و تلامذہ کے ذریعے ہو سکی نہ ان کی کتابوں کے ذریعے۔

یہاں بجاطور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا؟ اور شاہ صاحب قبول عام خواص کیوں حاصل نہ کر سکے؟ ہماری ناقص رائے میں ان کے مسلک اور مشن کے عدم قبول و رواج و نفوذ کے اسباب تین قسم کے ہیں، وہ اسباب

☆ جن کا تعلق بخت و اتفاق سے ہے

☆ جن کا تعلق شاہ صاحب سے ہے

☆ جن کا تعلق ہم سے ہے

آئیے، بہ ترتیب ان اسباب کا جائزہ لیں۔

شاہ صاحب کے پانچ صاحب زادے تھے۔ ان میں سے سب سے بڑے شاہ محمد تھے۔ شاہ محمد اگرچہ فاضل تھے اور بقول صاحب زبیرؒ الخواطر محدث تھے مگر ان کی علمی سرگرمیوں اور افتادہ تدریس کا کوئی سراغ نہیں ملتا، پھر ان پر جذب غالب تھا، اس لیے وہ خارج از بحث ہیں۔ باقی چار صاحب زادوں میں سے سب سے بڑے شاہ عبدالعزیز تھے، جن کی عمر شاہ صاحب کی وفات کے وقت صرف ۱۶ سال تھی اور اگرچہ انہوں نے شاہ صاحب سے بھی تحصیل علوم کی تھی مگر تکمیل و فراغ کی منزل والد کی وفات کے بعد شاہ محمد عاشق، شیخ نور اللہ اور خواجہ محمد امین کی رہنمائی میں طے کی تھی۔ پھر اگرچہ وہ ذکاوت و وظائف کی وافر مقدار سے بہرہ ور تھے مگر بہر حال عمر کی اس منزل پر نہیں پہنچے تھے جہاں باپ اپنے بیٹے کو اپنے اسرار و علوم فاضل کرتا ہے اور اپنے نظریات کو اس کے قلب میں راسخ اور دماغ میں مستحکم کرتا ہے۔ عمر کی ناچھٹکی کے علاوہ طالب علمی کا عہد بھی ان کاموں کے لیے ناموزوں اور نامناسب گار ہوتا ہے، فراغ کے بعد جب طالب علم کو قطع کی ہوئی منزلوں کی طرف پلٹ کر دیکھنے کا موقع ملتا ہے اور حاصل کئے ہوئے ذخیرے کے جائزے کی مہلت ملتی ہے اور تدریس یا تالیف کی ضرورتوں کے پیش نظر معلومات کی ترتیب، مختلفات میں تطبیق، اپنے مسلک کی تعیین اور غیر نصابی کتب کا مطالعہ کرنا پڑتا ہے تو درحقیقت وہ منزل آتی ہے جسے قدیم درس گاہی زبان میں ”حقیقی طلب علم“ کی منزل کہا جاتا تھا۔ مختصر یہ کہ شاہ عبدالعزیز کو نو عمری، والد کی مسلسل بیماری، طلب علم میں مصروفیت کی بنا پر اپنے والد کے مزاج سے تعارف اور ان کے منفردانہ افکار کے جذب و ہضم کا موقع نہیں ملا تھا۔ دوسرے تین بھائیوں کا تو ذکر ہی کیا کہ وہ علی الترتیب ۱۲-۱۸ اور ۲۳ برس کے تھے۔ حاصل یہ کہ شاہ صاحب کو اس کا موقع نہیں ملا کہ وہ اپنے صاحب زادوں کو اپنے انداز فکر کی تربیت دے سکتے۔

اب تلامذہ کو نیچے۔ اولاً تو شاہ صاحب کے تلامذہ کی تعداد پہلے ہی بہت مختصر ہے اور اس کمی کی وجہ شاہ عبدالعزیز کے بیان ۱۲ کے مطابق یہ تھی کہ جب اپنے شاگردوں کی ایک ایسی جماعت تیار کر لی جو مختلف فنون کے ماہر تھے تو دور رس ان کے سپرد کر کے خود فکر و تحقیق اور تصنیف و تالیف کے

لیے وقف ہو کر رہ گئے تھے۔ اسی بیان سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ یہ مجدد و تعداد ان سے اس عہد میں مستفید ہوئی تھی جب ان کے افکار میں مجتہد اندرنگ، انقلابیت، انفرادیت اور جنگی نہیں آئی تھی۔ گویا یہ تلامذہ میاں ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم کے تلامذہ تھے جو اپنے دور کے ایک ممتاز محنت کش، ذہین و مستعد عالم تھے۔ مفکر اسلام، مجدد مآد اور موسیٰ، مصفیٰ، حجتہ اور ازالہ کے مصنف حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے تلامذہ نہیں تھے۔

ثانیاً جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں چند تلامذہ شاہ صاحب کے مسلک سے منحرف تھے، شاہ اہل اللہ ”حنفی حنیف“ تھے، مجدد و معین تحوی تشیع کی طرف میلان رکھتے تھے قمر الدین منت نے مسلک تشیع اختیار کر لی لیا تھا۔

ثالثاً شاہ صاحب کی وفات کے صرف دس سال کے بعد حلقہ ولی اللہی کو ایک ایسا حادثہ پیش آیا جس نے حلقے کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔ ہوا یہ کہ ایک ہی سال ۱۱۸۷ھ میں حلقہ کے ایک دو نہیں پانچ اراکین و اساطین ”باجماعت“ رحلت کر گئے۔

(۱) شاہ اہل اللہ برادر خورہ اور شاگرد۔

(۲) شیخ نور اللہ پھلتی، رفیق درس، ماموں اور خسر

(۳) شاہ محمد عاشق، رفیق درس، شاگرد، دوست، میرے بھائی، نسبت بھائی اور خلیفہ۔

(۵) حاجی محمد سعید بریلوی، شاگرد۔

یہ تھے وہ حالات جن کا تعلق بخت و اتفاق سے تھا اور جن کی بنا پر مسلک شاہی کے قلعین و مونیہ کا دائرہ وسیع نہ ہو سکا۔

فکر ولی اللہی کے عدم قبول کا وہ سبب بھی بہت اہم ہے جس کا تعلق خود شاہ صاحب سے ہے۔ اور اسی سبب کا تعلق ہم مخاطبین و قارئین سے بھی ہے۔ شاہ صاحب دراصل غیر معمولی انسان تھے، دل کے لحاظ سے بھی اور دماغ کے لحاظ سے بھی۔

ان کا تفکر قوت پسند انداز اور ابلاغ و یانتہ دارانہ تھا۔ وہ کسی بھی ملے پر خواہ اس کا تعلق فقہ سے ہو یا عقائد و کلام سے تفسیر سے ہو یا شریعت سے، پہلے سے کوئی رائے قائم کر کے غور نہیں کیا

کرتے تھے، پھر ان کے نتائج فکر جو کچھ ہوتے تھے ان کو جوں کا توں نذر قمر طاس و سپر و قلم کر دیا کرتے تھے۔

ان کا انداز فکر غیر جانب دارانہ اور ”غیر فرقہ وارانہ“ تھا۔ وہ خاندانی طور پر فقہ، کلام اور تصوف کے مکاتب فکر میں سے ایک ملک فکر سے وابستہ تھے، لیکن فکر و تحقیق کے مرحلے میں وہ ہر مسئلے اور ہر جزیے اپنے ملک فکر کی ہم نوائی اور تائید و انتصار کے پابند ہو کر نہیں رہتے تھے۔

ان کا انداز فکر ”غیر مقلدانہ“ اور مجتہدانہ بھی تھا۔ وہ صرف نقل و اقوال اور جمع و ترتیب پر اتکا کے قائل نہیں کرتے تھے وہ اپنے دماغ کو بھی زحمت فکر دیتے رہنے کے عادی تھے۔

تاریخ اسلام کے عمیق مطالعے، عالم اسلام کے عہد حال پر وسعت نظر، اسباب زوال امت کے مفصل جائزے، کثرت مطالعہ، وسعت نگاہ، صوفیانہ اور دروہندانہ افتاد مزاج کی وجہ سے وہ خلافیات میں رفع نزاع اور دفع تعارض کے لیے کوشاں رہتے تھے۔ اسباب اختلاف کا سراغ لگا کر وجوہ اشتراک معلوم کر لینے کی فکر میں رہتے تھے۔ تطبیق و توافق ان کا محبوب مشغلہ تھا، ارباب تسنن اور اصحاب تشیع کے اختلافات ہوں یا فقہاء اربعہ کے تعارضات یا صوفیاء کے باہم متناقص نقطہ ہائے نظر، وہ جہاں تک امکان ہوتا ان میں تطبیق کی کوشش کرتے تھے اور مختار بین کو راہ اعتدال دکھاتے تھے۔

ادھر تو شاہ صاحب اور ان کے فکر کی یہ شان اور ادھر ہمارا یہ حال کہ ہم عہد زوال کی تمام خصوصیات سے بہرہ ور، ہم نے دین و سیاست ہو یا علم و ادب زندگی کے ہر شعبے میں شطرنج کے سے کچھ خانے بنائے ہیں جو خطوط سے محدود ہیں۔ اب ہر شخص پر ہمارے زعم میں واجب ہے کہ وہ فقہی کلامی، تاریخی، ادبی، سیاسی مکاتب میں سے کسی ایک مکتب سے کھیتہ اتفاق کرے یا کھیتہ اختلاف اور فرض ہے کہ وہ ان خانوں میں سے کسی ایک خانے کے وسط میں خطوط و حدود سے دامن بچا کر کھڑا ہو۔ اب اگر کوئی غریب اپنے دماغ سے سوچنے کا خوگر ہے، مسائل میں اس کی اپنی بھی رائے ہوتی ہے اور وہ تحقیق کے بغیر کوئی قول تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا اور کسی ایک ہی گروہ سے عمومی اور دوائی دابگی کو واجب اور فرض نہیں سمجھتا اور وہ ان خانوں کی ”جغرافیائی حدود“ کا شدت سے پابند

نہیں ہے اور کسی معاملے میں ”خط کے اس پار“ والوں سے بھی متقی ہو سکتا ہے تو وہ ان دونوں خانوں والوں کی نظر میں اجنبی ٹھہرتا ہے اور ”مشکوٰۃ“ قرار پاتا ہے کہ ہر مسئلے میں جماعت سے متفق کیوں نہیں ہے؟ حلقے کا مدنی صدوق دار کیوں نہیں ہے؟ دوسری جماعت اور حلقے کو شرمین کیوں نہیں سمجھتا؟ ”اغیار“ کی آراء کے ساتھ ان کی نیات کو کل کلام کیوں نہیں سمجھتا؟ افکار کے ساتھ ساتھ کردار پر بھی نکتہ چینی اس کے نزدیک ناروا کیوں ہے؟ جزیات میں اختلاف کو اہمیت کیوں نہیں دیتا؟ وجوہ اشتراک کی تلاش میں کیوں سرگرداں رہتا ہے؟

آپ اعجازہ کر سکتے ہیں کہ شاہ صاحب جیسا اعتدال پسند ”تطبیق کوٹھ“ اور ”خود فکر“ عالم ہم جیسے ”خانہ نشینوں“ اور انتہا پسندوں میں کس طرح قبول حاصل کر سکتا تھا اور اس کی تحریک ہمارے معاشرے میں کس طرح رسوخ و رواج پا سکتی تھی؟

اہل سنت ان سے ناخوش ہیں کہ وہ امامین کی بے محابا^۳ تکفیر نہیں کرتے تھے اور تفصیل شیخین کے بجائے تفصیل علی علی الشیخین کی طرف میلان بتاتے تھے مگر امامین نے ان سے طرفہ معاملہ کیا، سودا نے ان کا قصیدہ بجویہ لکھا، صاحب گلشن ہند نے ان پر ”ابطال شہادۃ حسین“ کی تہمت تراشی۔

شاہ صاحب نے وحدت وجود وحدت شہود میں تطبیق فرمائی تو وجودی خوش ہوئے نہ شہودی، مرزا مظہر جان جاناں نے خود بھی ناپسندیدگی ظاہر فرمائی اور ”کلمۃ الحق“ بھی لکھوایا۔ فقہی مسائل میں اعتدال و توسط اختیار کرنے کے جرم میں احتاف نے ان سے برأت کی ضرورت محسوس کی۔ مگر اہل حدیث نے ان کے افکار میں خامی محسوس کر کے خود رسائل تصنیف کئے اور ان کے نام سے منسوب کر دیئے اپنی باتیں ان کی زبان سے کہلوائیں اور احتاف سے ان کو حریہ بدعن اور دور تر کر دیا۔

حواشی

(۱) شاہ اسماعیل نے بھی ”منصب امامت“ میں انصاف و خلافت سیدنا علی کو حکم و مدلل کیا ہے۔

(۲) ”رسالہ اصول فقہ حق“ و ”رسالہ ماخذ ائمہ اربعہ“ (مشمولہ فتاویٰ عزیزی جلد اول)

(۳) مقدمہ داراسات الملیب از مولانا محمد عبدالرشید نعمانی کراچی۔

(۴) وصایاء ابرہہ مرتبہ پروفیسر محمد ایوب قادری، صفحہ ۸۵

(۵) وصایاء ابرہہ صفحہ ۱۰۷

(۶) گلشن ہند، انجمن ترقی اردو ہند سیدرا بادکن ۱۹۰۱ء

(۷) اب چہر سال سے القوز الکبیر اور جزیۃ اللہ الباقیہ مثل نصاب کی گئی ہیں۔

(۸) شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ صفحہ ۶۱

(۹) کوہلی اور اس کے اطراف صفحہ ۶۸

(۱۰) از لہ الخٹا کے اردو ترجموں کی داستان یہ ہے کہ مکمل اردو ترجمہ پہلی بار کراچی ۱۹۵۹ء میں شائع ہوا پھر کراچی سے دوبارہ بھی ترجمہ ۱۹۶۰ء میں چھاپا مکمل ترجمہ ایک لکھنؤ سے دوسرا لاہور سے (۱۹۰۶ء میں)، تیسرا کوہلی سے شائع ہوا۔

(۱۱) یہ بھی یاد رکھیے کہ شاہ ولی اللہ وفات سے پہلے امراض و عوارض میں مبتلا اور بھلت میں مقیم رہے اور قلیل وقات بھلت سے دھکیلائے گئے تھے۔

(۱۲) ملفوظات عزیزی صفحہ ۴۰

(۱۳) شاہ عبدالعزیز نے بیان فرمایا ہے کہ ایک شخص نے شاہ صاحب سے شیعوں کے کفر و ایمان کے متعلق دریافت کیا۔ شاہ صاحب نے (سائل کے حسب منتہی شیعوں کو کافر کہنے کے بجائے) اس مسئلے میں فقہاء کا اختلاف بیان کرنا شروع کیا تو سائل غضبناک ہو کر یہ کہتا ہوا اٹھ کر چلا گیا کہ ”مجھے تو یہ خود شیعہ معلوم ہوتا ہے“ ملفوظات عزیزی صفحہ ۳۲ طبع میرٹھ ۱۳۶۳ھ

شاہ ولی اللہ کا مدرسہ رحیمہ

شاہ عبدالرحیم (ف ۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۹ء) کا مدرسہ کوئی عام اور معمولی درس گاہ نہیں تھا۔ مختلف اعتبارات سے اس کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ اس کے صدر نشینوں، معلمین، مستدین کی عظمت مقام نے مسلسل ڈیڑھ سو سال تک اس درس گاہ کو برصغیر کی ایک ممتاز ترین درس گاہ بنائے رکھا اور جب تسلسل حوادث اس چراغ کو بجھا دینے میں کامیاب ہو گیا تو نہ صرف برصغیر کے گوشے گوشے بلکہ بیرون بر بھی بہت سے مقامات پر اس چراغ سے روشنی حاصل کرنے والے چراغ روشن و فروزاں ہو چکے تھے اور بھگت نند یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ بانیوں کہہ لیجئے کہ صرصر انقلاب نے اس مرکزی درس گاہ کی خدمات کا سلسلہ اگرچہ منقطع کر دیا، مگر ملک و بیرون ملک اس کی صد ہا شاخیں آج تک قائم و باقی اور سرگرم خدمت ہیں۔

یہ مدرسہ صرف ایک درس گاہ نہیں تھا، بلکہ برصغیر کی ایک انقلابی تحریک کا مرکزی ادارہ تھا۔ اسے ایک خانقاہ کی حیثیت بھی حاصل تھی، یہاں کردار بنائے جاتے تھے، یہاں انسان ڈھالے جاتے تھے اور مجاہدین کی تربیت کی جاتی تھی۔ اسے ایک اکادمی کہنا بھی بے جا نہ ہوگا کیونکہ اس کے سربراہوں اور اساطین کے قلم اور ذہن تحقیق و تدقیق کے میدان میں بھی گرم رفتار رہے، اس کی سیاسی خدمات کا باب بھی دوسرے ابواب سے کم اہم نہیں ہے۔ یہاں وقت کے مغل فرماں رواؤں نے نیاز منداندہ اور عاجزانہ حاضری دی ہے، پانی پت کا تاریخی معرکہ کارزار اسی مدرسہ کے ایک رکن رکیں کا برپا کیا ہوا تھا۔ سرحد و پنجاب کے میدانوں میں رنجیت سنگھ کی فوجوں سے جن

سرفروشن کی عمارت آرائی ہوئی وہ اسی مدرسے کی خانقاہ سے درس جہاد لے کر نکلے تھے۔ جزائر اٹلانٹک کی قبروں میں اسی دبستان فکر و عمل کے مستفیدین و محصلین کو خواب راحت ہیں، رحمہ اللہ علیہم۔

اسی مدرسے، خانقاہ، اکادمی اور مرکز ملی و دینی و سیاسی کی تاریخ پیش خدمت ہے۔

اس مدرسہ کو اب عموماً مدرسہ رحیمہ لکھا اور کہا جانے لگا ہے۔ یہ نام ابتداء مولوی سید احمد ولی اللہ نے اپنی ایک تحریر میں استعمال کیا تھا۔ ان کی تقلید میں مولوی رحیم بخش نے پھر مولوی بشیر الدین دہلوی نے استعمال کیا اور غلط فہمی کیا مگر واقعہ یہی ہے کہ مولوی سید احمد نے پہلے پہل اس مدرسہ کو مدرسہ رحیمہ کے نام سے یاد کیا تھا۔ شاہ عبدالرحیم، شاہ ولی اللہ، ان کے فرزند ان گرامی، علاحدہ و خلفا میں سے کسی کی تحریر میں یہ نام ہماری نظر سے نہیں گزرا، اس کو یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس مدرسہ سے کو یہ نام اس کے ختم ہونے کے بعد دیا گیا ہے۔

بہر حال اس مدرسے کے بانی شاہ عبدالرحیم تھے، مدرسے کے آغاز کے صحیح عہد کا تعین مشکل ہے۔ اندازہ ہے کہ اوید ہجری / استرخویں عیسوی کے ریلج آخر میں انھوں نے یہ مدرسہ قائم کیا ہوگا۔ میں سمجھتا ہوں کہ شاہ عبدالرحیم کی حیات میں مدرسہ نام صرف ان کی درس گاہ کا ہوگا۔ ہم شاہ عبدالرحیم کے علاوہ اس دور کے کسی معلم سے لاعلم ہیں۔ اس دور کے طلبہ کی تعداد زیادہ نہیں ہے۔ اس دور کے سب سے نمایاں طالب العلم تو شاہ ولی اللہ ہی ہیں، دوسرا نام شیخ بدرالحق پھلتی کا ہے جن کو والد کی وفات کے بعد ۱۱۴۲ھ میں شاہ ولی اللہ ہی نے سند عطا کی تھی۔^۲

مولوی رحیم بخش لکھتے ہیں:^۳

”مدرسہ شاہ عبدالرحیم، شاہ عبدالرحیم نے اپنے مکان مہندیوں میں عہد عالم گیر میں قائم کیا تھا۔“

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:^۴

”شیخ (عبدالرحیم) صاحب نے پرانی دہلی میں اس مقام پر ایک مدرسہ قائم کیا جو اب

مہندیوں کے نام سے مشہور ہے اور اس کا نام مدرسہ رحیمہ رکھا۔“

مدرسے کا اصل اور روشن دور شاہ ولی اللہ کا دور ہے۔ شاہ صاحب نے اپنے والد ماجد کی حیات ہی میں تدریس کا آغاز کر دیا تھا۔ والد کی وفات کے بعد زیادہ احسب ذمہ داری اور زیادہ انہماک کے ساتھ تدریس میں مشغول ہو گئے۔

فرماتے ہیں:

”بعد از وفات ایشاں دوازده سال کم و بیش بدرس کتب دینیہ و عقلیہ مواظبت نمود۔“
یعنی والد کی وفات کے بعد تقریباً ۱۲ سال دینیات و معقولات کی کتابوں کے درس کا شغل رہا۔
مولوی رحیم بخش لکھتے ہیں۔

(شاہ صاحب) ”پورے بارہ سال تک اس (تدریس) میں اس استغراق اور محویت کے ساتھ مصروف رہے جس کی کہیں نظیر نہیں ملتی۔“
مولوی سید احمد لکھتے ہیں:

”بعدہ آپ اپنے والد بزرگوار کی جگہ قائم مقام اور سجادہ نشین ہوئے اور طالبان ہدایت کو سیدھے رستے لگانا شروع کیا۔ کتب دینیہ و عقلیہ کی تدریس کا سلسلہ شروع کیا، جوق درجوق لوگ آنے شروع ہوئے۔ سینکڑوں طالب علم مستفیض ہونے لگے۔“

شاہ ولی اللہ نے مسند درس پر متمکن ہونے کے بعد نصاب تعلیم میں بھی ترمیم کی اور درس قرآن کریم کو جز و نصاب قرار دیا اور شاہ محمد عاشق کو ترجمہ قرآن پڑھانا شروع کیا۔ بعد میں اس ترجمہ قرآن کو قلم بند کرنے کا خیال ہوا اور ایک حصہ سفر حج سے پہلے اور باقی حصہ سفر حج کے بعد ۱۱۵۱ھ میں مکمل ہوا اور ۱۱۵۶ھ میں خواجہ محمد امین نے اس ترجمہ کو رواج دیا۔^۹ رواج سے مراد ہمارے خیال میں نصاب تعلیم کا لازمی جز بنالینا ہے۔

اس دور کے کسی دوسرے معلم مدرسہ کا نام ہمارے علم میں نہیں ہے لیکن مورخین نے طلبہ کی جس کثرت کا ذکر کیا ہے اس کے پیش نظر ہمارے خیال میں شاہ صاحب کے دو ایک معاون ضرور ہوں گے۔

اس دور کے تلامذہ میں شاہ محمد عاشق، شاہ نور اللہ بھٹکی، شاہ اہل اللہ، خواجہ محمد امین کشمیری کے نام محفوظ ہیں۔

۱۲ سال تک اس طرح داؤد رئیس دینے کے بعد شاہ صاحب ۱۱۳۳ھ/۱۷۳۱ء میں حج کو تشریف لے گئے اور دو سال تین ماہ بعد واپس تشریف لائے اور مہندیوں کے مدرسے میں قال اللہ وقال الرسول کی محفل پھر گرم ہو گئی۔ اس سفر میں حج و زیارت کے ساتھ آپ نے محدثین عبد سے بھرپور استفادہ کیا۔ فکر و نظر کی نئی راہیں و ایونٹیں اور کتب و مصنفین کے ایک نئے حلقے سے تعارف ہوا۔ آپ کے چند منتہی تلامذہ شاہ محمد عاشق، اخون محمد سعید وغیرہ بھی آپ کے نہ صرف شریک سفر حج تھے بلکہ شیوخ حجاز سے استفادہ و تلمذ میں بھی رفیق تھے۔ اس ”سرد سامان“ کے ساتھ مراجعت وطن کے بعد آپ نے مدرسے کے جس نئے دور کا آغاز کیا اس کا تذکرہ مولوی سید احمد کی زبانی سنئے:

(آپ) ”دلی میں واپس تشریف لائے اور اپنے قدیمی مکان میں اقامت کی، مدرسہ رحیمیہ کو جس کی بنیاد جناب شیخ عبدالرحیم صاحب ڈال گئے تھے، رونق دی۔ حدیث و تفسیر کا درس دینا شروع کیا تو گویا شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کے بعد اس زمانے میں آپؒ نے حدیث شریف کو فروغ بخشا، اطراف ہند میں آپ کی حدیث دانی کی شہرت ہوئی۔ طالب علموں کے پرے کے پرے آنے شروع ہوئے۔ پرانی دلی دارالحدیث بن گئی۔ حقیقت میں جناب حضرت شاہ ولی اللہ کی درس گاہ اس وقت علوم حدیث و تفسیر کا مخزن اور حنفی فقہ کا سرچشمہ تھی۔“

والد کی وفات سے سفر حج تک بارہ سال جم کر پڑھانے کے نتیجے میں آپ کو اپنے فارغ التحصیل تلامذہ کی ایک ایسی جماعت بھی مل گئی تھی جو تدریس میں ان کی رفیق و معاون ہوئی۔ ان معاونین میں سے شاہ محمد عاشق اور اخون محمد سعید کے نام ہم پہلے لے چکے ہیں، تیسرے خواجہ محمد امین ولی اللہی تھے جو شاہ عبدالعزیز کے بھی استاد تھے چوتھا نام ہمارے خیال میں شاہ اہل اللہ کا ہے

جو شاہ ولی اللہ سے دو سال چھوٹے تھے اور جنہیں سرنج پر روانہ ہوتے وقت شاہ صاحب اعطاء خرقہ اجازت بیعت و ارشاد اور دستار فضیلت سے سرفراز فرماتے گئے تھے۔^{۱۱}

شاہ صاحب نے سرنج میں سے مراجعت کے بعد تجدید و احیاء اور ملت کی جامع و ہشت پہلو اصلاح کا جو منصوبہ بنایا تھا، اس کا تقاضا تھا کہ اپنی جسمانی و دینی صلاحیتوں اور اپنے اوقات کا صرف بڑی احتیاط اور باقاعدگی کے ساتھ فرمائیں اور کسی ایسے مشغلے میں آپ صرف اوقات واستعداد نہ فرمائیں جس کی افادیت کا دائرہ محدود ہو، چنانچہ تدریس اور تخریر میں سے آپ نے تخریر کو اس کی زمانی و مکانی افادیت کے پیش نظر ترجیح دی اور اپنے بیش تر اوقات غور و فکر اور نتائج غور و فکر کو قلم بند کرنے کے لیے وقف کرنے کا فیصلہ فرمایا، مگر اس سے پہلے تدریس کا فرض ادا کرنے کے لیے ایک جماعتِ معلمین کو تربیت دینے کا عزم کیا۔ اپنے ۱۲/۱۵ سالہ عہد تدریس میں انھوں نے متعدد علماء پیدا کر دیئے تھے، ان کی تدریس کی تربیت بھی ہو گئی تھی، ان کے فنون کا تخصص بھی نکھر چکا تھا۔ اب وہ وقت آ گیا تھا کہ شاہ صاحب نگرانی و سرپرستی تک خود کو محدود کر لیں اور تدریس سے دست کش ہو کر خود کو فکر و تحقیق اور تصنیف و تالیف کے لیے وقف کر دیں۔ شاہ عبدالعزیز نے شاہ صاحب کی اس منصوبہ بندی اور تقسیم کار کا ذکر اپنے ایک مخطوط میں اس طرح فرمایا ہے۔^{۱۲}

”حضرت والد ماجد از ہر فن شخصے تیار کردہ بودند طالب ہر فن باوے می پر دند بعد مراقبہ چہ یکشنبہ می رسیدی نکشید مرئیس ہم کم می شدند۔“

(حضرت والد ماجد نے ہر فن کے لیے ایک شاگرد کو تیار کیا تھا) (مختص بنایا تھا) اور ہر فن کے طالب علم کو اس مختص کے سرِ دفرماتے تھے اور خود فکر و نظر اور تخریر میں مشغول رہتے تھے فکر و نظر کے جو نتائج ہوتے تھے ان کو قلم بند فرمایا لیتے تھے، مرئیس بھی کم ہی ہوتے تھے۔)

عائنا اسی تقسیم کار اور ترک مشغلہ تدریس کا ہی نتیجہ^{۱۳} ہے کہ ہم شاہ صاحب کے تلامذہ کی تعداد حیرت انگیز طور پر کم پاتے ہیں اور مختلف و متعدد مآخذ سے تلاش بسیار کے بعد ہم ۱۳۲ تلامذہ

کا شمار کر سکے ہیں (جن کی قبرست مع حوالہ مآخذ ایک مستقل مضمون میں درج ہے)۔
القول الخلی میں متعدد مزید تائید مذکور ہیں۔ ان ہی تائید میں سے شہ صاحب نے
کچھ حضرات کو معلم بنایا ہوگا۔

شاہ عبدالرحیم کے زمانے سے یہ مدرسہ مہندیوں میں قائم تھا۔ شاہ ولی اللہ کے سرفراز
سے آنے کے بعد بھی وہیں رہا اور پھر شاہ جہاں آبادؒ منتقل ہو گیا۔ مولوی سید احمد لکھتے ہیں۔ ۱۵۱
”روشن اختر محمد شاہ بادشاہ کا زمانہ تھا، اس نے چاہا کہ شاہ صاحب کے دم سے شاہ
جہاں آباد کو عزت ہوئی تو کیا کہتا ہے، لہذا مولانا کو شاہ جہاں آباد میں بلایا اور ایک عالی
شان مکان رہنے کے لیے دیا جس کا تفصیلی حال ہم اپنی کتاب یادگار دہلی میں لکھ چکے
ہیں۔ شاہ صاحب شاہ جہاں آباد شریف آئے اور مع قبائل رہنے لگے۔“

یہ مکان اس محلے میں تھا جس کو آج کل ”کلاں محل“ کہا جاتا ہے، اس مکان کا وہ حصہ جو
شاہ صاحب کے خاندان کی سکونت کے لیے مخصوص تھا ”زمانہ“ کہلاتا تھا اور وہ بیرونی حصہ جس میں
درس گاہ تھی ”مدرسہ“ کہلاتا تھا۔ یہ عمارت جو بقول بشیر الدین ”نہایت عالی شان اور خوبصورت“
تھی، غدر تک صحیح حالت میں تھی۔

”غدر میں مکانات لوٹ لیے گئے، گرا دیئے گئے، کڑی تختہ تک لوگ اٹھالے گئے
خانہ خالی راد پوی گیر۔ ایک شریف گردی تھی کہ الہی توبہ۔ جس کی لاشی اس کی بھینس،
جس کا قابو چلا وہ قابض ہو گیا، اب متفرق مکانات اس جگہ بن گئے ہیں، مگر محلہ شاہ
عبدالعزیز ”مدرسہ“ کے نام سے آج تک پکارا جاتا ہے۔“ ۱۵۲

مولوی سید احمد نے مزید تفصیل سے بتایا ہے کہ ”مدرسہ محلہ۔۔۔ تحینا چالیس سال سے
غیر آباد ہے، اُنر چار اولاد مولانا شاہ رفیع الدین صاحب ممدوح سے چند اشخاص اسی مدرسہ موصوف
میں برابر سکونت پذیر رہے۔ اسی اثنا میں مکان مدرسہ بھی ایام غدر میں منہدم ہو گیا۔“

مدرسے کا دوسرا دور اسی وقت شروع ہوا جب مدرسے کا اہتمام و صدارت کا بار شاہ

الدین خاں وغیرہ وہ فخر روزگار مدرسہ میں جو مدرسے کے اس ۶۰ سالہ (۱۷۶۲ء-۱۸۲۳ء) دور
زریں میں مختلف اوقات میں سرگرم افتادہ درس رہے۔

اس دور کے مستفیدین و طائفہ مدرسہ کی تعداد ناقابل شمار ہے۔ جو ہزاروں طلبہ اور اق
تاریخ میں جگہ پانے سے محروم رہ گئے، بان کو چھوڑ کر اگر صرف انہی حضرات کو شمار کیا جائے جن کے
نام اور کام کو تاریخ کے حافظے نے محفوظ رکھا ہے تو بھی یہ تعداد ہزاروں تک پہنچے گی۔

شاہ عزیز جب ریح الیوا میر کے عوارض کا شکار اور بھیر ہو گئے تو مدرسے کی صدارت سے
شاہ رفیع الدین عہدہ برآ ہوئے اور جب ۱۸۱۷ء میں وہ رحلت فرما گئے تو شاہ اعلیٰ کی نو جوانی نے
حوادث کی دعوت مبارزت کو لبیک کہا اور شاہ عزیز کی نگرانی کے سائے میں مدرسے کی خدمت انجام
دی اور ۱۸۲۳ء کے بعد تو وہی تمام شعبوں میں مانا کے جانشین ثابت ہوئے۔

مدرسہ اس دور میں بھی مای جگہ (کلاں بھل) رہا، البتہ ایک مدرس (شاہ عبدالقادر) نے
اکبر آبادی مسجد کے حجرہ میں اقامت اختیار کر لی تھی، اس لیے طلبہ ان سے متعلق اسباق کے لیے
اکبر آبادی مسجد میں حاضری دیا کرتے تھے۔

مدرسے کا تیسرا دور متاخرین خاندان کا دور ہے۔ اس دور میں مدرسے کی صدارت شاہ محمد
اعلیٰ سے متعلق رہی، اس لیے کہ وہی شاہ عبدالعزیز کے نواسے ہوئے۔ کے علاوہ مسلم جانشین اور خلیفہ
بھی تھے۔ اس دور کے مدرسین شاہ محمد یعقوب، شاہ مخصوص اللہ، شاہ محمد موسیٰ، مولوی رشید الدین خاں
وغیرہ تھے۔ ولی المذہبوں کی یہ نژادوں، نوع کے دینی و عقلی علوم کے متخصمین کی ایک باوقار جماعت
تھی۔ اطراف و اکناف عالم کے طلبہ کا ہجوم اور پڑھانے والوں میں شفقت و رافت، محنت و جفا کشی
ن فرادانی، مدرسہ آباد و بدو رفتی، دور دور مشہور و نیک نام نہ ہوتا تو کیوں نہ ہوتا! صدر المدرسین شاہ محمد
اعلیٰ کا جو نظام الاوقات موصوفین نے بیان کیا ہے اس سے مدرسے کے رنگ کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ لکھا
ہے کہ شاہ اعلیٰ نماز صبح کے فوراً بعد گھر میں لڑکیوں کو پڑھاتے۔ پھر مدرسے میں آ جاتے اور دوپہر تک
مصرف درس رہتے۔ دوپہر کے کھانے اور قیولے کے بعد نماز ظہر ادا کرتے اور پھر درس کا سلسلہ

شروع ہو جاتا جو نماز عصر کے علاوہ نماز مغرب تک جاری رہتا۔ نماز مغرب کے بعد اندرون خانہ تشریف لے جاتے مگر جلد واپس آ جاتے اور نماز عشا تک درس دیتے رہتے۔

شاہ ولی اللہ کے دور سے درس قرآن (وعظ) کا سلسلہ شروع ہوا تھا۔ وہ اس دور میں بھی

اس شان سے جاری رہا۔ سرسید کا بیان ہے کہ ^{۱۸}

”میں شاہ اخق کے وعظ میں حاضر ہوتا تھا۔ باہر مردوں کا ہجوم ہے زمانے میں عورتیں جمع ہیں نہ ذولیوں کا شمار ہوتا نہ پالکیوں کا، شاہی محلات کی بیگمات تک آتی تھیں، امرا کے ہاں سے کھانے کے کچیں پک کر آتیں جو طلبہ اور عوام میں تقسیم ہو جاتیں خود شاہ صاحب معمول چپاتی اور شوربہ گاڑ بھجے کے دسترخوان پر رکھ کر کھاتے۔“

مدرسے کے نصاب تعلیم میں بھی بہت سی تبدیلیاں ہوئیں ہیں۔

اس دور میں ایک اہم تغیر یہ ہوا کہ مقابلات درس تقسیم ہو گئے، اصل اور قدیم مدرسہ واقع کلاں محل جو اس زمانے میں جیسا کہ مولوی بشیر الدین وغیرہ نے لکھا ہے ”مدرسہ شاہ عبدالعزیز“ کہلاتا تھا، ایک بڑی حویلی کا ایک حصہ تھا اور دوسرا حصہ زمانہ کہلاتا تھا اور شاہ عبدالرحیم و شاہ ولی اللہ کی سکونت گاہ تھا، شاہ عزیز کے نواسے شاہ اخق و شاہ یعقوب بھی اپنی والدہ کی حیات میں یہیں سکونت پذیر تھے۔ شاہ اخق کی والدہ کا وصال چونکہ اپنے والد (شاہ عزیز) کی حیات ہی میں ہو گیا تھا، اس لیے شاہ عزیز نے اپنے ان دونوں نواسوں کی سکونت کے لیے ایک قطعہ زمین الگ خرید کر اس پر وسیع عمارت تعمیر کرا دی۔ یہ دونوں بھائی اسی میں رہتے اور اسی میں درس دیا کرتے تھے اس لیے یہ عمارت ”مدرسہ شاہ اخق“ کہلانے لگی۔ اور شاہ اخق ہی مدرسہ شاہ عبدالعزیز کے صدر مدرس اور نگران تھے، اس لیے اس واقعہ کی تعبیریوں بھی کی جاسکتی ہے کہ مدرسہ قدیم کا مقدمہ تبدیل ہو گیا اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ مقامات درس تقسیم ہو گئے کیوں کہ باقی اساتذہ (شاہ مخصوص اللہ اور شاہ موسیٰ وغیرہ) قدیم مدرسے ہی میں پڑھاتے رہے تھے، جسے مدرسہ اسحاق کی تعبیر کے بعد ”مدرسہ بہتہ“ بھی کہنے لگے تھے۔

مولوی بشیر الدین واقعات دارالحکومت دہلی میں ”مدرسہ شاہ عبدالعزیز“ کے عنوان سے، مدرسہ رحیمیہ یا مدرسہ کھنہ کا حال جدا تحریر کرنے کے بعد ”مدرسہ مولانا“ غنی صاحب کا عنوان قائم کر کے اس مدرسہ جدید کے متعلق لکھتے ہیں:

”جس وقت شاہ عبدالعزیز صاحب کی دختر نیک اختر یعنی شاہ محمد اسحق کی والدہ کا انتقال ہوا، حضرت کو خیال ہوا بھتیجیوں کے سامنے نواسے وارث نہ ہوں گے، اس لیے مولانا شاہ اسحق اور مولانا یعقوب دونوں بھائیوں کے لیے قطعہ زمین خرید کر اس میں عمدہ پختہ مکانات بنادیئے اور انہی کے نام کر دیئے۔ چنانچہ مولانا صاحب چند سال ان مکانات میں رہے اس کے بعد ایک بیک خانہ کعبہ کا شوق پیدا ہوا، حج بہت اللہ کا ارادہ کیا اور تمام مکان اور اثاثہ بیچ کر ۱۲۵۶ھ میں مع اہل و عیال کے ہجرت فرما گئے۔ اب مدرسے میں چھوٹے چھوٹے مکانات بن گئے ہیں، چوہان کسان وغیرہ غریب لوگ رہتے ہیں، ایک چھوٹی سی مسجد آپ سی کے نام سے مشہور ہے جس میں آپ نماز پڑھا کرتے تھے، اب چوں کہ یہ کل جائیداد رائے بہادر لالہ شیو پرشاد صاحب کی ہے اس لیے اس گلی پر ”مدرسہ رائے بہادر لالہ رام شن داس“ کا تختہ لگا دیا گیا ہے۔“

واقعات دارالحکومت دہلی ص ۱۶۷ حصہ دوم۔

شاہ محمد اسحق کی ہجرت حرم (ذی قعدہ ۱۲۵۸ھ) پر اس مدرسے کی ۱۵۰ سالہ تاریخ کا اختتام ہو گیا، کیوں کہ شاہ مخصوص اللہ^۹ تو پہلے ہی مدرسے سے دست کش اور گوشہ نشین ہو گئے تھے اور شاہ محمد موسیٰ نے شاہ محمد اسحق کی ہجرت کے صرف ۹ ماہ بعد جب ۱۲۵۹ھ میں وصال فرمایا۔

مدرسے کا چوتھا دور ۱۳۰۸ھ میں شروع ہوا اور بہت جلد ختم بھی ہو گیا، یہ دور تجدید و احیاء مدرسہ کی ایک نیک دلا خواہش کا سر جوش تھا، اور صرف برائے نام کامیابی پر متوجہ ہو کر بہت جلد ختم ہو گیا۔

تھی وہ ایک در ماندہ رو روئی صدائے درد ناک
جس کو آواز ریل کارواں سمجھا تھا میں

شاہ رفیع الدین کے نواسے مولوی سید ناصر الدین کے پوتے مولوی سید احمد نے بڑی بے سروسامانی کی حالت میں صرف دلولوں اور حوصلوں کے سہارے پر اپنے آبائی مدرسے کی تجدید کا عزم کیا تھا اور سروسامان سے محرومی، ذاتی اثرات کے فقدان، ایسے زمانہ کے عدم تعاون اور حالات کی ناسازگاری کے باوجود شاید مدرسے کی تجدید کےعلانات سے بات آگے نہیں بڑھ سکی۔ مولوی سید احمد نے اپنے اسلاف کے رسائل و کتب کی اشاعت کے لیے ایک مکتبہ اور مطبع (دوکان اسلامیہ اور مطبع احمدی) جاری کیا۔ اسی مطبع سے شائع شدہ ایک کتاب (فیوض الحرمین) کے خاتمہ (۱۰۸-۱۰۷) میں پہلی بار اس مدرسے کی تعمیر نو اور تجدید کا اعلان کیا۔ اس اعلان سے اندازہ ہوتا ہے کہ مدرسے کی عمارت کے کچھ حصے کی تعمیر کرائی تھی مگر اصل کام۔ سلسلہ درس کا آغاز بھی نہیں ہوا تھا۔ یہ اعلان محرم ۱۳۰۸ھ (۱۸۹۰ء) میں کیا تھا، اس کے بعد کی مطبوعہ کتابوں کے خاتمے میں مدرسے کے آغاز کا اعلان اور اشاعت کے لیے دعوت دی جاتی رہی مگر کوئی تفصیل کبھی نہیں آئی، یہاں تک کہ ۱۳۱۳ھ/۱۸۹۳ء میں جب مولوی سید عبدالحی ان سے ملے ہیں تو مدرسہ باقی نہیں رہا تھا لکھتے ہیں: ”انھوں (سید احمد) نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ ان حضرات کی کتابیں شائع کی جائیں چنانچہ اکثر رسائل چھپوائے ہیں اور باقی چھپ رہے ہیں ایک پریس بھی قائم کیا ہے ابتداء میں خاص حضرت مولانا کے مدرسہ میں ایک مدرسہ بھی قائم کیا تھا، مگر ایسا زمانہ کی بے اتفاقی سے دھوٹ گیا۔“

مولوی سید احمد نے مدرسے کا نام مدرسہ عزیزی تجویز کیا تھا۔ مطبع کے نام کے ساتھ بالالتزام ”متعلق مدرسہ عزیزی“ لکھا کرتے تھے، کہیں کہیں ”مدرسہ بہنہ شاہ عبدالعزیز صاحب“ بھی لکھتے ہیں۔ ”کہنہ“ کی قید ”مدرسہ شاہ الحق“ سے امتیاز کے لیے تھی۔

مدرسے کا نصاب شاہ عبدالرحیم سے لے کر شاہ الحق کے عہد تک کیا رہا اور اس میں کس کس نے کیا تبدیلیاں کیں؟ تفصیل ملاحظہ ہو۔

مدرسہ رحیمیہ کا نصاب تعلیم

مدرسہ رحیمیہ کے نصاب تعلیم کی تفصیل منضبط نہیں ہیں کہ کس کس دور میں کون کون سی کتابیں داخل درس رہیں؟ کب کس کتاب کا اضافہ کیا گیا؟ یہ اضافات کس کس نے کئے؟ کب کب کئے؟

شاہ ولی اللہ نے اپنا نصاب درس اس طرح درج کیا ہے

حدیث مشکوٰۃ، صحیح بخاری (۲ کتاب الطہارت)

تفسیر بیضاوی (کچھ حصہ)

فقہ شرح وقایہ، ہدایہ

اصول فقہ، حسامی، توضیح و تکوین

منطق شرح شمسینہ (قطبی) شرع مطالع (کچھ حصہ)

کلام، شرح عقائد مع خیالی، شرح مواقف

سلوک، عوارف، رہنما ل نقشبندیہ

حقائق، شرح رباعیات جامی، لوايح، مقدمہ نقد النصوص

خواص اسناد آیات، شاہ عبدالرحیم کا مولفہ رسالہ

طب، موجز القانون

حکمت، شرح بدایۃ الحکمتہ وغیرہ

نحو، کافیہ و شرح ملا جامی

معانی، مطلوب، مختصر المعانی

ہندسہ و حساب، چند رسائل مختصرہ ۲۱

لیکن یہ فہرست صحیح اور کامل نہیں ہے، او ا شاہ صاحب شاید بھول گئے تھے جو اس

فہرست میں زنجانی درج نہیں کی، شاہ محمد عاشق نے القول الجلی میں زنجانی کا بھی نام لیا ہے۔
 شاہ صاحب نے ایک جگہ ”وغیرہ“ اور ایک جگہ ”چند رسائل“ لکھا ہے۔ اس کے
 علاوہ انھوں نے حدیث کی قرآت و سماعت شیخ محمد افضل سرہندی سے کی تھی اور حجاز میں شیخ
 ابوظاہر مدنی وغیرہ سے جن جن کتابوں کی قرآت سماعت کی تھی ان کی تفصیل الارشاد الی
 مہمات الاسانید اور رسالہ شیخ سعید سنبل معروف بہ اوائل میں وغیرہ میں درج کی ہے۔
 آخر عمر میں ان کی نظر میں موطا امام مالک کی اہمیت بڑھ گئی تھی اس طرح تفسیر
 جلالین کی افادیت بھی واضح ہو گئی تھی چنانچہ اپنے وصیت نامے^{۳۳} میں ان کی تدریس کی
 وصیت کی ہے اس کے علاوہ انھوں نے اپنے وصال سے صرف تین سال قبل ۱۱۷۳ھ میں شیخ
 جلال اللہ بن عبد الرحیم من اہل فجاج کو جو اجازہ دیا تھا اس میں الجزء اللطیف میں درج نصاب
 سے حسب ذیل کتابیں زائد ہیں۔

(۱) جلالین سورہ یونس سے سورہ کہف تک

(۲) صحیح مسلم

(۳) سنن ابی داؤد

(۴) جامع ترمذی

(۵) سنن نسائی

(۶) سنن ابن ماجہ

(۷) سنن دارمی

(۸) مسند احمد

(۹) شمائل ترمذی

(۱۰) المحسن الحصین

(۱۱) منتخبہ الفکر

(۱۲) شرح نخبۃ الفکر

(۱۳) کتاب الامم شیخ ابراہیم الکردی

(۱۴) عوارف المعارف

(۱۵) احیاء العلوم

نیز اپنی حسب ذیل تالیفات بھی درج کی ہیں:

(۱) البسوی (شرح موطا)

(۲) الحجۃ اللہ بالآلہ

(۳) الانصاف

(۴) عقد الجید

(۵) القول الجلیل

(۶) مسلسلات

(۷) الحجۃ فی سلسلۃ الصحبہ

(۸) الفوز الکبیر

اور ان آٹھ کتابوں کے بعد ”وغیرہ ذلک من کتبی“ تحریر کیا ہے۔

یہ صرف حدیث، اصول حدیث، تفسیر اور تصوف کی کتابوں کا ذکر تھا، دوسرے فنون و کتب میں ترمیم و اضافے کی شدید ضرورت تھی کیوں کہ مندرجہ بالا نصاب^{۳۳} تعلیم نامکمل، ناقص اور ترمیم طلب تھا کئی فنون سرے سے غائب تھے مثلاً صرف، ادب، اصول تفسیر، تاریخ، الہیات وغیرہ اور داخل نصاب میں بھی کتابوں کی تعداد مختصر^{۳۴} اور ناکافی تھی اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ خاندان رحیمی کا نصاب بہت جلد تبدیل ہو گیا اور تفسیر حدیث کلام، تصوف وغیرہ میں نہ صرف شاہ ولی اللہ کی کتابیں داخل نصاب کی گئیں بلکہ دوسری مفید کتب کا اضافہ بھی کیا گیا مثلاً سلوک و حقائق کی کتابوں کے متعلق شاہ عبدالعزیز کا ایک ملفوظ

ہے:

”درس ہر علم این جاجدا بود چنانچہ طور درس تصوف بایں طور می کشایدیم کہ اولیٰ لوائح بجائے میزان بعدہ لمعات و شرح لمعات بعدہ درۃ فاخرہ تصنیف شاکر دینی الدین قونوی بعدہ فصوص بعدہ فتوح الغیب ۲۳

”ہر علم کے درس کا طور یہاں (خاندان رحیمی میں) مدرسوں سے مختلف ہے، تصوف کے درس کا طور یہ ہے کہ پہلے میزان کے بجائے لوائح اس کے بعد لمعات اور شرح لمعات اور شرح درۃ فاخرہ جو دینی الدین قونوی کے شاگرد کی تصنیف ہے اس کے بعد فصوص اس کے بعد فتوح الغیب ۲۴۔“

اس طرح ”فتوح“ کی کتب میں بھی مزید اضافہ قرین قیاس ہے، ہم اپنا واحد شاہ ولی اللہ کی فتوح میں مہارت کا ذکر سنتے ہیں مثلاً شاہ رفیع الدین کی ریاضیات میں مہارت کے متعلق شاہ عبدالعزیز کے کئی ملفوظ ہیں اور یہ جو شاہ عبدالعزیز نے ہدایۃ الحکمۃ اور زواید ثلاثہ پر حواشی لکھے تھے تو یہ مہارت ”چند رسائل مختصر“ کی تعلیم سے تو پیدا نہیں ہوئی تھی یقیناً عقلیات کے متون و شروح درس و مطالعہ میں رہے ہوں گے۔

ملفوظات شاہ عبدالعزیز سے نصاب درس میں ایک اور قائل قدر اضافہ کا پتہ چلتا ہے یہ ہے عبرانی زبان اور تورات و انجیل کی تعلیم، شاہ صاحب نے فرمایا:

”فاضلے از اکابر علما آمدہ بود از و تحقیق تورات بزبان عبری می کردم چنانچہ چند آیات اومح ترجمہ ارشاد فرمود ۲۵۔“

”اکابر علما میں سے ایک فاضل (دہلی) آیات تھا میں نے اس سے عبرانی زبان

میں تورات پڑھی چنانچہ تورات کی چند آیات اور ان کا ترجمہ سنایا۔“

اس کے بعد راوی نے وہ آیات بھی نقل کی ہیں اور انجیل کے متعلق شاہ صاحب کی رائے بھی نقل کی ہے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ ترمیم صرف شاہ صاحب کی ذات تک

محدود اور انھیں کے ساتھ مخصوص نہیں رہی تھی بلکہ اس کو نصاب درس کی ایک مستقل ترمیم کے طور پر مقبول کر لیا گیا تھا اور تعلیم اناجیل کو مدرسہ رحیمیہ کا نصاب کا ایک لازمی جز بنا دیا گیا تھا چنانچہ شاہ محمد اسحاق فرماتے ہیں۔ ہمارے خاندان کا قاعدہ ہے کہ وہ تفسیر سے پہلے تورات و انجیل و زبور پڑھا دیا کرتے تھے کیوں کہ بغیر ان کتابوں کے پڑھے قرآن شریف کا لطف ہی نہیں آتا اس قاعدے کے تعلق مجھے بھی یہ کتابیں پڑھائی گئیں اور اس لیے میں عیسائی مذہب سے ناواقف نہیں ہوں۔

مدرسہ رحیمیہ کے نصاب درس میں غیر ختم سلسلہ اصلاح مکمل ترمیم کی ہی ایک کڑی شاہ عبدالعزیز کا وہ فتوائے جواز ہے جو انھوں نے انگریزی زبان کے حصول کے لیے دیا تھا اور انگریزی پڑھنا یعنی آئین خط کتابت و لغت و اصطلاح اس بارادراستن با کے نیست (خط و کتابت زبان اور اصطلاحات کا جاننا بے ضرر ہے، مگر اس شرط کے ساتھ کہ نیت مباح ہو اور انگریز کی خوشامد اور ان سے میل جول بڑھانے کے لیے یہ کام نہ ہو)۔

حواشی

۱۔ خاتمہ تاویل الاحادیث ص ۸۸ و حیات ولی ص ۲۳۰ واقعات دار الحکومت دہلی حصہ دوم ص ۵۹۰۔

۲۔ فتاویٰ شاہ عبدالعزیز میں شاہ غلام علی اور شاہ عزیز کی جو مراسلت درج ہے اس میں دونوں نے صرف ”مدرسہ“ کا لفظ لکھا ہے۔ شاہ غلام علی نے ”در مدرسہ“، ”مفتقران“ اور شاہ عبدالعزیز نے ”درین مدرسہ“ لکھا ہے، ص ۹۱ ملفوظات شاہ عبدالعزیز میں بھی ایک جگہ مولف نے لکھا ہے۔ ”بنا نہ رفتہ بدر سآ مد“ ص ۸۴ شاہ ولی اللہ نے الجزء اللطیف میں صرف مدرسہ کا لفظ لکھا ہے۔ ص ۱۹۴

۳۔ تمہیدات المہیہ جلد اول ص ۲۳۷۔

۴۔ حیات ولی (طبع اول) ص ۲۶۲

۵۔ ایضاً ص ۲۲۹

۔ بہت سے لوگ کوئی وجہ اور سبب نہ ہونے کی بنا پر تہ کرکوں میں نہیں آیا کرتے، مدرسہ کے بھی جانے کتنے طلبہ کے نام ایسے ہی ضبط ہونے سے روک گئے۔ خود شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے کہ انھوں نے بخاری ”بقرات بعض اصحاب پڑھی تھی، الجزء اللطیف ص ۱۹۴۔

۶۔ الجزء اللطیف (مع انفس العربین) ص ۱۹۵ طبع احمدی دہلی۔

۷۔ حیات دلی ص ۲۳۰

۸۔ خاتمہ تاویل الاحادیث ص ۸۸

۹۔ مقدمہ فتح الرحمن

۱۰۔ خاتمہ تاویل الاحادیث

۱۱۔ خاتمہ تہذیب ہندی از مولوی سید احمد، مطبع احمدی دہلی

۱۲۔ ملفوظات ص ۳۰

۱۳۔ شاہ صاحب کے تلامذہ کی قلت تعداد کا صرف یہ ایک سبب ہی نہیں ہے۔ اور بھی اسباب ہیں اولاً تو شاہ صاحب دہلی میں مہتمم رہے مولف الروضۃ القومیہ نے (ان کے عہد شباب میں) لکھا ہے کہ آج کل بھلت میں رہتے ہیں وفات سے قبل بھی بھلت ہی میں جا رہے تھے۔

۱۴۔ گزشتہ صدی تک مہندویوں کو پرانی دہلی اور شاہ جہاں آباد یعنی آج کی پرانی دہلی کو کئی دہلی کہتے تھے۔ ۱۹۱۲ء میں جب انگریزوں کی نئی دہلی آباد ہوئی شاہ جہاں کی نئی دہلی پرانی ہو گئی۔

۱۵۔ خاتمہ تاویل الاحادیث ص ۸۸

۱۶۔ واقعات دارالحکومت دہلی حصہ دوم ص ۱۷۳/۱۷۴

۱۷۔ خاتمہ فیوض الحرمین ص ۱۰۷

۱۸۔ آثار الصنادید

۱۹۔ سر سید احمد خان نے اپنی کتاب آثار الصنادید (تالیف ۱۲۶۳ھ/۱۸۴۶ء) میں لکھا تھا کہ ایک عرصہ ہوا سرشت تدریس ہاتھ سے دے کر گوشہ نشین ہو گئے ہیں۔ ایک عرصہ کا مطلب صرف ۵ سال بھی نہیں تب بھی ۱۲۵۸ھ میں وہ گوشہ نشین ہو گئے ہوں گے۔

۲۰۔ دہلی اور اس کے اطراف ص ۶۶

۲۱۔ الجزء اللطیف

۲۲۔ الرسالة الوضیۃ فی الصیغۃ والنصیغۃ مطبع احمدی سری رام پور ص ۷

۲۳۔ اس کے برعکس اسی عہد میں ملا نظام الدین فرنگی بھٹی (ف ۱۷۴۷ء) نے لکھنؤ میں جو نصاب مرتب کیا تھا وہ زیادہ حاوی و جامع تھا۔

۲۴۔ ملفوظات شاہ عبدالعزیز، مطبع مجبائی میرٹھ ۱۳۳۳ھ ص ۲۵

۲۵۔ ملفوظات ص ۳۰ و ۶۲ ملفوظات ص ۴۷

۲۶۔ ارداع ثلاثہ ص ۱۱۳

۲۷۔ فتاویٰ شاہ عبدالعزیز ص ۱۱۰

شاہ اہل اللہ

شاہ عبدالرحیم کا پہلا عقد سونی پت (پنجاب، بھارت) میں ہوا تھا اور دوسرا عقد باون سال کی عمر میں مہلت کے شیخ محمد صدیقی کی دختر فخر النساء سے ہوا۔ فخر النساء کے لطن سے دو صاحب زادے ہوئے: (۱) شاہ ولی اللہ (۲) شاہ اہل اللہ۔ شاہ ولی اللہ کو جو شہرت حاصل ہوئی وہ بجا طور پر اس کے مستحق تھے مگر شاہ اہل اللہ کو متعدد وجوہ سے وہ مقام حاصل نہ ہو سکا جس کے وہ مستحق تھے۔

شاہ اہل اللہ ۱۱۱۹ھ/ ۱۷۰۸ء میں مہلت میں پیدا ہوئے، تحصیل علوم والد ماجد سے کی اور دینیات، عقلیات اور طب میں مقام حاصل کیا۔ ۱۲ سال کی عمر میں والد ماجد سے بیعت ہوئے اور اشغال طریقہ اخذ کئے اسی عمر میں اپنے والد کے مکاتیب کا ایک مجموعہ ”انفاس رحیمہ“ مرتب کیا جسے والد نے دیکھا پسند کیا تھا۔ ۱۱۳۱ھ میں والد کے سائے سے محروم ہو گئے تو تحصیل تربیت کی کمی کو اپنے بڑے بھائی سے رفع کیا اور تدریس و افتادہ میں مشغول ہو گئے۔

۱۱۳۳ھ میں جب شاہ ولی اللہ نے پہلی بار سرج کا ارادہ کیا ان کے سر پر خلافت کی دستار باندھی اور اجازت بیعت و ارشاد ان کو دی اور انھیں والد کا جانشین بنایا اور فرمایا جیسا فرقہ والد ماجد نے مجھے پہنایا تھا ایسا ہی میں انھیں پہناتا ہوں، متعلقین کو چاہیے کہ انھیں بجائے پدر بزرگ دار سمجھیں۔!

تحصیل علوم سے فراغت کے بعد شاہ اہل اللہ نے باقاعدہ مطب کا سلسلہ شروع کیا، شاہ عبدالرحیم بھی طبیب تھے اور مطب کرتے تھے، شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں:

”از ہر علم بہرہ معتد بہ داشتند و ترک مناسبت بعض از فنون طبع ایشان رضائی داد و در طب حدس ایشان بغایت سلیم و رسا بود“^۱

”ہر علم میں بڑی دست رس رکھتے تھے ان کو گوارا نہیں تھا کہ کسی بھی فن میں انھیں مناسبت نہ ہو، طب میں ان کی آرا بہت صحیح اور رسا ہوتی تھیں۔“

تشخیص مرض میں ان کی دراکی اور ملکہ کا ایک دلچسپ واقعہ بھی شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ سادات بارہہ کے کسی گاؤں میں آپ تشریف لے گئے تو آپ کو ایک بیمار کا قارورہ دکھایا گیا آپ نے صرف قارورہ دیکھ کر نبض دیکھے اور سوالات کئے بغیر نسخہ تجویز کر دیا ایک ہندو طبیب نے جو وہاں موجود تھا سوال کیا کہ حضرت! تشخیص مرض بھی فرمائی ہے آپ نے مسکرا کر جواب دیا یہ ایک عورت کا قارورہ ہے جس کا یہ نام ہے یہ شکل و صورت ہے یہ اخلاق و عادات ہیں، یہ شکایات ہیں، اس کے علاوہ بھی اور بہت سے کام جو وہ کرتی تھی ہمیں معلوم ہیں، ہندو طبیب نے بر محل سوال کیا یہ باتیں کس طبی کتاب میں لکھی ہیں؟ آپ نے فرمایا جی نہیں یہ طب نہیں ہے، یہ ہم غلامان محمد (ﷺ) کی فراست صادقہ ہے۔^۲

شاہ اہل اللہ نے بھی فراغت کے بعد طب کا سلسلہ شروع کیا۔ شاہ عبدالعزیز کا

بیان ہے کہ

”حمت ہم خاندان مامعول بود چنانچہ جد بزرگ وار و عم فقیری کر دند“^۳

ہمارے خاندان میں طب کا سلسلہ بھی تھا چنانچہ میرے جد بزرگ وار اور چچا بھی مطب کرتے تھے۔ ایک اور موقع پر فرمایا:

”عم من در طب مہارت کامل داشت

میرے چچا طب میں مہر کامل تھے۔“^۴

شاہ اہل اللہ ابتدا میں مطب میں زیادہ وقت نہیں دیتے تھے۔ ایک روز خواب میں دیکھا کہ ایک صاحب نے کہا مبارک ہو اللہ تعالیٰ نے تمہارے علاج سے شفا پائی ہے، اس جواب سے بہت خوش ہوئے اسی زمانے میں ایک دو درویشوں کے علاج کا بھی اتفاق ہوا تھا شاید اللہ تعالیٰ کی خوش نودی کا یہی باعث ہو حدیث قدسی میں مرضت فلم تعدنی کا مقتضا بھی یہی ہے، اس کے بعد خادموں کو ہدایت کر دی کہ کوئی بھی مریض کسی بھی وقت آئے مجھے ضرور اطلاع کر دیا کریں۔ ۱۔

شاہ صاحب دوسرے اطباء کی طرح مریضوں کے معالجہ کے لیے گھروں پر بھی بلائے جاتے تھے ایک بار ایک مریض کے گھر جاتے وقت اپنے بھتیجے شاہ عبدالعزیز کو بھی جو بچے تھے، لیتے گئے، مریض ایک ذاکر و شاعری بزرگ تھے مرض موت سے دوچار تھے۔ غفلت طاری ہو چکی تھی مگر ہاتھ کی انگلیاں اس طرح ہلارہے تھے جیسے ہاتھ میں تسبیح ہو اور ایک تسبیح ختم کر کے دوسری تسبیح شروع کرتے وقت جمی طرح ”امام“ کو درست کیا جاتا ہے شاہ صاحب نے حساب کیا تو ٹھیک سودا نے گننے کے بعد وہ امام کو درست کرتے تھے، شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ شاہ اہل اللہ فرمانے لگے کہ نیک کام کا محاورہ بڑے کام آتا ہے کہ بے مقصد اور بے ہوشی میں بھی وہ کام انجام دیتا ہے۔ ۲۔

اس طرح ایک اور ”وزٹ“ VISIT کا عجیب واقعہ شاہ عبدالعزیز نے ہی بیان فرمایا ہے کہ جس زمانے میں ہم لوگ پرانی دلی میں رہتے تھے کوچہ انبیا کے ایک سید صاحب کے ہاں ایک پور بن بڑھیا بیمار پڑھی تھی یہ بڑھیا سید صاحب کے ہاں ایک کنیز کی حیثیت سے پٹی تھی ان پڑھ تھی اور کبھی نماز کی نکر بھی نہیں مارتی تھی آخری وقت آیا تو پور بی لہجے میں چند ایسے الفاظ ادا کرنے لگی جو کسی کی سمجھ میں نہیں آتے تھے، چچا جان کو بلایا گیا آپ نے توجہ سے سنا تو کہہ رہی تھی لا تخافی ولا تحزنی آپ نے گھر والوں سے کہا اس سے یہ بوجھو یہ الفاظ کیوں کہہ رہی ہے بڑی مشکل سے بولی کہ کچھ لوگ کھڑے مجھ سے یہ الفاظ کہہ رہے

ہیں، پوچھا گیا کہ ان الفاظ کا مطلب کیا ہے بولی یہ تو میں نہیں جانتی پر سن کہتا ہے میری تسلی کے لیے کہہ رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ تو نے زندگی میں کوئی نیک کام نہیں کیا مگر ایک روز سردی کے موسم میں تو بازار سے گئی لے کر آئی اور اسے گرم کر کے چھانا تو اس میں سے ایک روپیہ نکلا پہلے تیری نیت یہ ہوئی کہ روپیہ ہضم کر لوں کیوں کہ کسی کو پیسہ نہیں تھا مگر پھر اللہ کے خوف سے تو نے وہ روپیہ دکان دار دالے جا کر واپس کر دیا پس تیری یہ ادا بھائی۔

پھلت میں

والد کے انتقال کے کچھ مدت بعد ہی شاہ اہل اللہ دہلی سے پھلت منتقل ہو گئے، دہلی سے ساٹھ میل کے فاصلے پر ضلع مظفر نگر کا ایک قریہ ہے جو شاہ صاحب کا تخیال بھی تھا اور مولد بھی، شاہ ولی اللہ بھی یہیں پیدا ہوئے تھے اور ابتدائی عمر میں ان کا قیام بھی پھلت ہی میں رہا تھا۔

شاہ اہل اللہ نے دہلی کا قیام ترک کر کے پھلت میں کیوں سکونت اختیار کی اس کا سبب معلوم نہیں مگر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ علمی دنیا میں جس مقام کے مستحق تھے وہ نہ پاسکے اور انہیں نہ صرف خاطر خواہ شہرت نہیں ملی بلکہ ان کے حالات پر بھی پردہ پڑ گیا اور چند سطروں سے زیادہ ان کے حالات یک جا نظر نہیں آتے اور یہ حالت آج نہیں ہوئی بلکہ آج سے سو سو سال پہلے اور شاہ صاحب کے وصال کے ٹھیک سو سال بعد ۱۲۸ھ میں اس خاندان کے ایک متوسل اور نیاز مند کو یہ لکھتا پڑا۔

”وکان لولی اللہ اخ یسمی اہل اللہ کان اہل اللہ و اہل

العلم بل لم یبلغنی خبرہ فوق ان له کتابا“

”شاہ ولی اللہ کے ایک بھائی اہل اللہ تھے جو ایک باخدا اور صاحب علم

بزرگ تھے مجھے ان کے حالات اس سے زیادہ نہیں معلوم کہ ان کی

ایک تصنیف ہے۔“

حال آں کہ اس کتاب میں اس خاندان کے دوسرے ارکان کے حالات کسی قدر تفصیل و وضاحت کے ساتھ درج ہیں۔

مولوی فقیر محمد جلمی اس خاندان کے تلامذہ میں سے تھے۔ انھوں نے احناف کے تراجم پر مشتمل حدائق الحنفیہ لکھی تھی مگر شاہ اہل اللہ کے ذکر جیل سے قاصر و محروم رہ گئے حال آں کہ شاہ ولی اللہ کے برعکس شاہ اہل اللہ کی حقیقت میں مجال کلام نہیں ہے بلکہ وہ مسلک امام اعظم کی حمایت و نصرت میں چاق و چوبند تھے اور اس ”جرم“ میں بہت سے ”اختیار“ نے انھیں نظر انداز کیا، خود اس خاندان کے ایک اہم رکن مولوی سید احمد ولی اللہی کو شاہ صاحب کی کتاب شائع کرتے وقت ان کا تعارف یوں کر اپنا پڑا:

”شاہ اہل اللہ بھی اسی خاندان کے ایک ذی علم اور با کمال شخص گزرے ہیں۔“^{۱۱}

بہر حال شاہ اہل اللہ مستقلاً تنہیال پھلت میں مقیم ہو گئے تھے وہاں ان کا ذریعہ معاش ممکن ہے جاگیر ہو، ان کے نخیال میں سلطان سکندر لودھی (ف ۱۵۱۶ء) کے وقت سے زمین داری چلی آتی تھی جو شاہ اہل اللہ کے نانا شیخ محمد پھلتی کے بزرگوں کو ملی تھی۔^{۱۲} اس کے علاوہ خود ان کے دوھیال کو بھی جاگیر ملی ہوئی تھی۔ ۱۷۵۷ء میں جب احمد شاہ ابدالی نے دہلی پر پانچواں حملہ کیا تو ساری جاگیریں ضبط کر لی تھیں، شاہ ولی اللہ ایک خط میں لکھتے تھے۔

”التمغائے اکثرے ضبط شد الا التمغائے ایں جانب کہ دست خط

کردہ دادہ اند۔“^{۱۳}

”بہت سوں کی جاگیروں کی اسناد ضبط کر لی ہیں ایک میری سند اپنے دست خط کر کے واپس کر دی۔“

ایک زمانے میں شاہ ابوسعید رائے بریلوی نے یا ان کے توسط سے کسی اور صاحب نے شاہ صاحب کا وظیفہ مقرر کروا دیا تھا جس کے شکریے میں شاہ اہل اللہ نے لکھا

”ایں نیاز مند را از فکر معاش نجات بخشیدند“

”آپ نے مجھے فکر معاش سے نجات دلا دی ہے۔“ ۱۴

پھر دعا کے بعد لکھتے ہیں:

”حسب الامر یأخذ شکر گزاری بہ خان رفعت نشان مرقوم شدہ“ ۱۵

آپ کے ارشاد کے مطابق خاں صاحب کو شکر پے کا خط لکھ دیا ہے۔

اس کے بعد ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں:

”احوال یومیہ از توجہ وجیہ صورت گرفتہ بفضل الہی تا حال جاری ست و نیاز مند

و دیگر کس کو خود رطب اللسان شکر گزاری ست“

شاہ صاحب کا وصال ۱۱۸۶ھ میں مہلت میں ہوا اور وہیں درگاہ^{۱۶} کے احاطے

کے باہر مدفون ہوئے۔

تبرکات

شاہ اہل اللہ کے چند تبرکات اب تک مہلت میں ہیں (۱) موے مبارک، اس کا

قصہ^{۱۷} شاہ ولی اللہ نے یہ بیان کیا ہے کہ ایک بار بخار کے تسلسل سے میری (شاہ عبد الرحیم)

حالت غیر ہو گئی ایک دن خواب میں نانا (شیخ عبدالعزیز شکر بار) نظر آئے اور فرمایا

حضور ﷺ تشریف لا رہے ہیں۔ پھر حضور ﷺ تشریف لے آئے اور فرمایا میرے بیٹے کیا

حال ہے؟ میں اس شانِ شفقت اور زحمت عیادت کو دیکھ کر فرطِ طرب اور وجد میں ہو کر رونے

لگا سرکار ﷺ نے مجھے اپنی آغوش میں لے لیا میرا چہرہ آپ ﷺ کے سینہ مبارک سے

لگا ہوا تھا اور میرے اشکوں سے آپ ﷺ کا پیرا بن مبارک تر ہو گیا، جب یہ کیفیت کم ہوئی

تو مجھے خیال آیا کہ کاش سرکار ﷺ مجھے موے مبارک عطا فرمادیں اس خیال سے آگاہ ہو کر

آپ ﷺ نے ریش مبارک پر ہاتھ پھیرا اور دو موے مبارک مجھے عطا فرمائے، میں نے

بیدار ہو کر وہ موے مبارک اپنے نیکے کے نیچے پائے، بخار اتر چکا تھا مگر کمزوری باقی تھی وہ

بھی چند روز میں دور ہو گئی شاہ عبد الرحیم نے ان میں سے ایک موے مبارک شاہ ولی اللہ دیا

تھا^{۱۸} اور دوسرا شاہ اہل اللہ کو، دہلی میں اس موے مبارک کی زیارت ہر سال^{۱۹} بیوتی تھی، مولانا فضل رسول بدایونی کا بیان ہے کہ موے مبارک کا صندوق گھر سے باہر شاہ اسماعیل اپنے سر پر اٹھا کر لاتے تھے۔^{۱۹}

شاہ اہل اللہ کے حصے میں جو موے مبارک آیا تھا وہ اسے اپنے ساتھ بھلت لے گئے تھے اور وہ وہاں محفوظ ہے، لکڑی کا ایک صندوق ہے اس میں ایک شیشی ہے جس میں روئی کے اوپر موے مبارک رکھا ہوا ہے اہل بھلت کا بیان ہے کہ یہ صندوق شیشی اور روئی ویسی ہیں جو شاہ اہل اللہ کے دور میں تھے۔

(۲) مصحف مبارک، خط طغریٰ میں ایک مصحف کلام مجید ہے جس کا عرض تقریباً دو انچ اور طول تقریباً ۱۲/۱۵ انچ ہے غالباً عبد شاہ جہاں گیر میں لکھا گیا ہے یہ مصحف شاہ اہل اللہ کو اپنے دو حیل سے ملا تھا یا انھیال سے یہ معلوم نہ ہو سکا شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے کہ ان کے تانا شیخ محمد پھلتی پر شیخ آدم بنوری کے خلفا میں سے ایک بزرگ شیخ جلال بہت مہربان تھے۔ انھوں نے وصال کے وقت وصیت کی تھی کہ ان کا مصحف شیخ محمد کو دے دیا جائے۔ ممکن ہے یہی مصحف شیخ محمد سے ان کے نواب شاہ اہل اللہ دورے میں ملا ہو۔

(۳) نعل مبارک، لکڑی کی ایک طاق (صرف ایک پتھر کی) کھڑاؤں (غالباً دوسرا طاق شاہ ولی اللہ کے حصے میں آیا ہو) معلوم نہیں یہ کھڑاؤں کن ذات گرامی سے نسبت رکھتی ہے؟ اس کی تحقیق کا اتفاق نہیں ہوا۔

(۴) قدم شریف، اس کی بھی تفصیل حاصل کرنے کی توفیق نہیں ہوئی۔

شاہ اہل اللہ کا قیام (م سے م) آخری دور حیات میں بھلت میں رہا تھا اس لیے یہ تبرکات شاہ اہل اللہ کے اخلاف کے قبضے میں ہونے کی بجائے شیخ محمد کے اخلاف کے قبضے میں ہیں۔

(۵) ایک مصحف کلام مجید قلمی جس پر حاشیے میں آیات و سورتوں کی شان نزول خاص طور پر

تحریر ہے، مولانا محمد حسین میرٹھی نے، مولانا محمد حسین نبیرہ شاہ رفیع الدین دہلوی کا نسخہ نشی فرحت اللہ صاحب سے حاصل کر کے شائع کر دیا، مقدمہ میں اس کا تذکرہ کر دیا ہے۔
(مکتوب حکیم انیس احمد صدیقی بنام راقم الحروف)
اخلاف

شاہ اہل اللہ کے دو صاحب زادے تھے (۱) شاہ مقرب اللہ جن کا عرف میاں بہکو تھا (۲) معظم اللہ جن کا عرف مولوی محمدی تھا معظم اللہ کا عقد فاطمہ بنت شیخ محمد فائق بن شاہ محمد عاشق سے ہوا تھا ان کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی، (۱) محمد مکرم (۲) محمد مختشم (۳) امۃ العزیز (لا ولد) ان میں سے محمد مختشم کا عقد امۃ الغفور بنت شاہ محمد اسحاق دہلوی سے ہوا تھا ان سے ایک بیٹے مولوی عبدالرحمن تھے، محمد مختشم شاہ محمد اسحاق کے ساتھ مکہ معظمہ ہجرت کر گئے تھے مولوی عبدالرحمن سے مکہ معظمہ میں مولانا عبید اللہ سندھی کی ملاقات ہوئی تھی مولانا سندھی نے انہی سے شاہ ولی اللہ کی کتاب المستوی شرح موطا کا مسودہ حاصل کر کے مکہ معظمہ ہی میں طبع کروایا تھا۔

تالیفات

(۱) انفاس رحیمی: شاہ صاحب کی پہلی تالیف ہے یہ ان کے والد شاہ عبدالرحیم کے خطوط کا مجموعہ ہے جو ۱۱۳۱ھ سے پہلے مرتب کر لیا گیا تھا اور والد کی نظر سے بھی گزر گیا تھا۔ یہ مجموعہ احمدی دہلی اور مطبع مجتہائی دہلی سے نئی بارشائع ہو چکا ہے۔

(۲) تخریج احادیث ہدایہ:

محسن تربیتی الیائے الجنی میں لکھتے ہیں:

”وكان لولي الله اخ يسمى الشيخ اهل الله كان اهل الله واهل العلم بل لم يبلغني من خبره فوق ان له كتاباً لطيفاً في تخریج احادیث الهدایہ رانیت وله الابواب الاربعة مختصره فيه كلمات جامعہ بكثر نفعها“^۱

”شاہ ولی اللہ کے ایک بھائی بھی تھے جن کا نام اہل اللہ تھا وہ اہل اللہ بھی تھے اور صاحب علم

بھی مجھے ان کے حالات کا اس سے زیادہ پتہ نہیں کہ انھوں نے ایک نفیس کتاب لکھی ہے جس میں ہدایہ کی احادیث کی تخریج کی ہے میں نے اس کتاب کو دیکھا ہے یہ ایک مختصر کتاب چہار باب ہے اس میں جامع کلمات ہیں جن کے بہت سے فوائد ہیں۔“

الیانہ الجنی کے علاوہ اس کتاب کا اور کہیں تذکرہ دیکھنے میں نہیں آیا بہر حال ترقی نے دیکھی ہے اس لیے کتاب کے وجود میں شک ہی نہیں ہے۔

(۴) تلخیص ہدایہ

یہ اس مشہور کتاب کا خلاصہ ہے، خلاصہ اس طرح کیا ہے کہ فقہاء کے مناقشات سے حتیٰ کہ صاحبین و امام اعظم کے اختلافات تک کا ذکر نہیں کیا صرف امام اعظم کے مسلک فقہی کو پیش کر دیا ہے اور اس کی تائید میں صحاح ستہ اور مستدرک حاکم کی احادیث نقل کی ہیں ان کی کتاب کا ایک مخطوط مولوی عبدالرشید مرحوم ابن مولانا یسین صاحب رائے بریلی کے پاس تھا اس کی خصوصیت یہ تھی کہ یہ ملا عبدالقیوم محدث بڑھانوی کے ہاتھ لکھا ہوا تھا، مولوی عبدالرشید کا بیان ہے کہ اس کتاب کا ایک مخطوط نواب حبیب الرحمن صاحب شیروانی اور ایک مخطوط کتب خانہ آصفیہ میں اور ایک مخطوط مولانا عبدالعزیز مبینی کے ذخیرے میں ہے۔

(۵) اصول فقہ

ایک مختصر و مفید رسالہ ہے جو مولوی عبدالرشید مرحوم کے ذخیرے میں تھا، یہ رسالہ ان کے والد مولانا محمد یاسین نے بنگلور میں ایک قلمی رسالے سے نقل کیا تھا۔^{۲۲}

(۶) تفسیر قرآن

شاہ صاحب کی اس تفسیر کے دو مخطوطے عربی فارسی ریرچ انسٹی ٹیوٹ راجستھان ٹونک میں ہیں۔

(۱) نمبر ۱۹۸۱ء، اوراق ۱۲۶، سائز ۱۶x۲۳، زبان عربی

(۲) نمبر ۱۳۲/۲، اوراق ۱۲۲، زبان عربی^{۲۳}

(۷) چہار باب

فارسی میں چار ابواب پر مشتمل ایک مفید رسالہ باب اول عقائد باب دوم اعمال باب سوم فضائل اعمال باب چہارم نصائح۔ یہ رسالہ پہلی بار ۱۲۵۸ھ میں مطبع مصطفائی لکھنؤ سے شائع ہوا تھا پھر متعدد بار شائع ہو چکا ہے۔

(۸) کنز الدقائق کا فارسی ترجمہ:

شاہ صاحب نے فقہ حنفی کی اس معتبر کتاب کا فارسی میں ترجمہ کیا تھا، یہ ترجمہ تو اب تک طبع نہیں ہوا لیکن مولانا محمد احسن نانوتوی نے اس کا فارسی سے اردو میں ترجمہ کر کے احسن المسائل کے نام سے شائع کیا تھا جو مطبع صدیقی بریلی سے ۱۲۸۴ھ میں شائع ہوا تھا پھر مطبع مجتہائی دہلی سے نظر ثانی شدہ ترجمہ اور مطبع قیومی کان پور سے ۱۹۱۹ء میں تیسری بار شائع ہوا۔^{۲۴}

(۹) ترجمہ موجز القانون:

شاہ صاحب نے طب کی معروف درسی کتاب موجز القانون کا فارسی ترجمہ کیا تھا اور کئی ضروری مسائل جو مصنف (ابن سینا) سے رہ گئے تھے ان کی اضافہ بھی کیا، کتاب کا مخطوط اجمل طبی کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے کتب خانے میں ہے۔

(۱۰) تکملہ یونانی، تکملہ ہندی

ترجمہ موجز کے دو تکملے بھی شاہ صاحب نے اضافہ کئے ہیں۔ تکملہ یونانی، تکملہ ہندی، فرماتے ہیں کہ موجز کے ترجمہ فارسی سے فراغت کے بعد میں نے سوچا کہ خن ہائے یونانی کو بھی جمع کر دوں۔ اس طرح تکملہ ہندی کے آغاز میں فرماتے ہیں میں نے سوچا ادویہ ہندی بھی مرتب کر دوں۔ مولوی سید احمد نے اپنے مطبع احمدی سے دونوں تکملے شائع کر دیئے تھے۔

(۱۱) فوائد: بقول شاہ محمد عاشق اس رسالے میں معارف طریقت اور اسرار حقیقت بیان کئے گئے ہیں (القول النجلی)۔

(۱۲) قصیدہ: فارسی میں حضور اکرم ﷺ کے معجزات پر ایک طویل نظم (القول الجلی)

(۱۳) عقائد: عقائد پر ایک منظوم رسالہ (القول الجلی)

آخر میں شاہ صاحب کے چند نصائح ملاحظہ فرمائیں، یہ نصائح ان کی کتاب چہار باب کے باب چہارم سے نقل کئے گئے ہیں۔

”زندگانی چند روز ہست، بدانند کہ آخر گزشتنی است، از بہر دنیا با کسے عداوت نگیرند و کسے را عیب نکلند و بدگویند خصوصاً عیوب یک فرقہ خاص را علانیہ ذکر نکنند و تا تو اند بر کسے حسد نیرند و دروغ بے فائدہ بر زبان نیاورند و خن بد کسے بہ کسے نرسانند و خود را از بخل و جبن تا تو اند پاک گردانند و بر آنچه رضائے اللہ تعالیٰ است راضی باشند و خود را بزرگ تریں و کلاں شمارند و فخر و نخوت را در دل راہ نہ ہند و تا تو اند در اصلاح عالم بکوشند و در بیچ کس نفیض و فساد نیندازند و در اکل حلال و صدقہ مقال و استقامت احوال سعی کئی نمایند کہ سر جمیع طاعات و ریس جملہ عبادات است و از کلمہ لعل در حق خویش و بیگانہ باز نمانند و بر امر معروف و نہی عن المنکر سعی بلیغ گمارند و اگر تو اند بدل ناخوش دارند و خود مرکب آن نشوند“

(نصیحت نمبر ۴)

”دنوی زندگی چند دن کی ہے خیال رکھیں کہ یہ آخر گزر جائے گی دنیا کے لیے کسی سے عداوت اور دشمنی نہ رکھیں اور کسی کا عیب نہ بیان کریں خصوصاً کسی خاص فرقے کا عیب بھری محفل میں نہ کہیں کسی سے حسد نہ کریں بے ضرورت غلط بات نہ کہیں، کسی کی راز کی بات کسی اور سے نہ کہیں جہاں تک ہو سکے خود کو کنجوسی اور بزدلی سے بچائیں اللہ تعالیٰ کی جو مرضی ہو اس پر راضی رہیں خود کو بڑا نہ سمجھیں فخر اور نخوت کو دل میں جگہ نہ دیں جہاں تک ہو سکے اپنی اصلاح کی کوشش کرتے رہیں کسی کو کسی سے نہ لڑائیں۔ اکل حلال، بیچ بولنے اور راست روی کی پوری کوشش کریں اس لیے کہ یہی روح طاعات اور اصل عبادات ہے اپنے اور پرانے کے حق میں کلمہ خیر کہنے سے باز نہ رہیں اور اچھی باتوں پر اکسانے اور بری باتوں پر نوکنے کی

پوری کوشش کریں اور اگر یہ نہ کر سکیں تو کم سے کم برائی کو برائی سمجھتے رہیں اور کم سے کم خود ان
برائیوں سے بچتے رہیں۔“

”ایامِ حیات و صحت خود را غنیمت شمارند بغیر ضرورت تمام در مہلکہ نیفتند اگر مر لیس
شوند پیش طبیب حاذق بردند و اختیار در دست او بند و در تدبیر و دوا، و غذا، مخالفت نمایند
و بے حضور خطائے فاحش طبیب دیگر نہ طلبند“

(نصیحت نمبر ۱۱)

”اپنی زندگی اور تندرستی کو غنیمت سمجھیں بغیر شدید ضرورت کے خطرے میں خود کو نہ
ڈالیں، بیمار پڑیں تو تجربہ کار طبیب کے پاس جائیں اور اسی کے کہنے پر چلیں اور پرہیز اور دوا
کے بارے میں اس کی ہدایت کی خلاف ورزی نہ کریں اور جب تک اپنے معالج سے کوئی
بڑی غلطی نہ ہو جائے معالج نہ بدلیں۔“

”در شادی و غم و غصہ چنان فعلی نکند کہ بارد گیرند امت آں کشند و در وقت غضب
عنان خود بگیرند چنان حرف سخت نہ گویند کہ اگر با ہم موافقت شود فحلت از اں کشند“

(نصیحت نمبر ۱۸)

”خوشی، رنج اور غصے کی حالت میں کوئی ایسا کام نہ کریں کہ دوسری بار اس کی
شرمندگی اٹھانی پڑے اور غصے میں خود پر قابو رکھیں مقابل سے کوئی ایسی بات نہ کہیں کہ صلح
ہو جائے تو شرمندگی ہو۔“

”در غنائے وافر و فقر مفرط تا توانند از اخلاق قدیم خود برگردند و بر دولت خود
چندان ننازند و از غربت و فقر خویش چندان نمانند، کہ نزد دوں گرواں است و جہان جہاں۔“

رنج و راحت گیتی مرنجاں دل مشو

کہ آئین جہاں گاہے چنیں گاہے چنان باشد

(نصیحت ۲۵)

دولت کی ریل پیل میں اور تنگ دلی میں جہاں تک بس چلے اپنے پہلی کی عادات و اطوار میں فرق نہ آنے دیں نہ اپنی دولت پر اترائیں نہ فقر میں اضافہ سے پست ہمت ہوں کہ آسمان گردش میں رہتا ہے اور زمانے میں انقلاب آتے رہتے ہیں۔

”رعایت آداب گفت و شنید و نشست و برخاست ہر جا و ہر مکان ضرور و لازم است خصوصاً در مجالس عامہ کہ در مرغی داشتن آں جہد بلیغ نمایند و محافظت تمام کنند کہ بیچ کس سخن بے جا و حرکت لغو سرزد نشود و در بیچ امرے مخالفت اہل مجلس رواندارند و رعایت مرضی رئیس آں را از اہم ضروریات شمارند، و اگر خود سالار مجلس باشند باحوال ہر کس موافق قدر او در تعظیم و تکریم رعایت کنند و بر ملاحظہ فی گویند و فعلی سازند کہ بر بیچ کس او رئیس و خیس گراں افتد“

(نصیحت ۱۷)

”ہر جگہ اور ہر مقام کے باہم گفت و شنید نشست و برخاست کے آداب کا لحاظ ضرور کریں، خصوصاً عام مجلسوں میں ان باتوں کا لحاظ شدید ضروری ہے اور اس کا خاص خیال رکھیں کہ کسی شخص سے کوئی بیہودہ اور بری بات سرزد نہ ہونے پائے اور کسی بات میں شرکائے محفل کے مزاج کا خلاف کام نہ کریں اور صدر بزم کی خاطر داری کو اہم ترین ضرور سمجھیں اور اگر خود سر محفل ہوں تو ہر شخص کی طبیعت کے مطابق اس کی تعظیم و تکریم کا لحاظ رکھیں اور بے تامل کوئی ایسی بات نہ کہیں نہ کوئی ایسا کام نہ کریں جو محفل کے خواص و عوام پر گراں گزرے۔“

”عقل و کیاست و فہم و فراست ہر چند امر جملی است اما بکثرت تجربہ و صحبت عقلاء کسب علوم عقلیہ و استماع قصص و نصائح می افزائند پس باید کہ چنان کوشند کہ ہر روز قوائے عقلیہ خود را قوی می کردہ باشند و خود را تکلیف و فکر از عقلاء نروانند و در زمرہ سفہاء نگزارند“

(نصیحت ۵)

”عقل، ہونیاری اور سمجھ بوجھ اگرچہ پیدا ہونے لگتی ہو مگر یہ تجربات کی کثرت،

عقل مندوں کی صحبت اور علوم عقلیہ (منطق و فلسفہ) حاصل کرنے سے ترقی کر سکتے ہیں اور اس کو چاہیے کہ کوشش کرے کہ قواعد عقلیہ روز بروز ترقی کرتے جائیں اور کوشش اور چینک سے خود کو عقل مندوں میں شامل کرنا چاہیے، نا سمجھوں بدھموں کے گروہ میں شمار ہونے سے بچنا چاہیے۔“

حواشی

- ۱۔ القول الجلی، ص ۵۲۳
- ۲۔ بوارق، ۱۱۱، یت (اندلس العارفین) ص ۸۲، مطبع احمدی دہلی
- ۳۔ ایضاً ص ۸۵
- ۴۔ مخطوطات عزیزی، ص ۲۲، مطبع جہانگیر پور، ۱۳۱۲ھ
- ۵۔ ایضاً ص ۲۳
- ۶۔ القول الجلی، ص ۲۲
- ۷۔ مخطوطات عزیزی، ص ۱۳
- ۸۔ ایضاً ص ۱۳
- ۹۔ وہ کمرہ جس میں شاہ ولی اللہ کی ولادت ہوئی تھی ماضی قریب تک محفوظ و متغل تھا سال میں ایک بار کھولا جاتا تھا ہم نے ۱۹۳۳ء اور ۱۹۵۱ء میں اس کی زیارت کی تھی۔
- ۱۰۔ المائت الجلی (حسن ترہتی) ص ۹۴
- ۱۱۔ نعلہ بندی، ص ۶۸
- ۱۲۔ بوارق، ص ۳۵۸
- ۱۳۔ شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، ص ۳۱
- ۱۴۔ شاہ ابوسعید رائے بریلوی
- ۱۵۔ مابنامہ القرآن لکھنؤ جون ۱۹۶۵ء
- ۱۶۔ ”درگاہ“ ایک احاطے کا نام تھا جس میں چار حزار ہیں ایک شاہ محمد شق کا وہ شاہ محمد شق کا تیسرا بقول عام شاہ محمد عرب شاہ اہل اللہ کا چوتھے کے متعلق معلومات حاصل نہیں ہو سکیں۔
- ۱۷۔ اندلس العارفین، ص ۴۰، الدر الثمین، ص ۶

- ۱۸۔ القول الخلی ص ۷۳
 ۱۹۔ البیادق الحمد یہ ص ۱۰۶
 ۲۰۔ حکیم انیس احمد صدیقی (محلّت) کا بیان ہے کہ طول تقریباً ۷۷ ہے۔
 ۲۱۔ الیاق الخلی ص ۹۳
 ۲۲۔ کتب خانہ سعیدیہ نوک، معارف اعظم ۲۷ جلد ۶۱ شمارہ ۲
 ۲۳۔ خزینہ مخطوطات جلد اول، مولانا محمد عمر خان
 ۲۴۔ ”مولانا محمد احسن خان قوتی“ از پروفیسر ڈاکٹر محمد ایوب قادری کراچی ۱۹۶۱ء

شاہ محمد عاشق پھلتی

شاہ ولی اللہ کے خلیفہ اعظم

شاہ محمد عاشق کے شاہ ولی اللہ سے کئی رشتے اور تعلق تھے۔ وہ شاہ صاحب کے میرے بھائی، نسبت بھائی، سہمی، رفیق طفلی، شریک درس، شاگرد، مسٹر شد اور خلیفہ تھے۔ شاہ محمد عاشق کے والد شیخ عبید اللہ تھے جو شاہ ولی اللہ کے سر تھے اور دادا شیخ محمد تھے وہ شاہ عبدالرحیم کے سر تھے۔ شاہ ولی اللہ نے اپنے نانا شیخ محمد کے حالات پر ایک رسالہ الخطبہ الصمدیہ فی انفاۃ الحمد یہ لکھا ہے جو ان کی کتاب انفاۃ العارفین کے ابواب میں سے ایک ہے (۱۶۹-۱۷۸ مطبع احمدی دہلی) یہی کتاب شاہ محمد عاشق کے اسلاف کے متعلق ہمارا واحد مآخذ ہے۔ اخلاف کے متعلق ہم اس خاندان کے موجودہ ارکان کی زبانی روایات اور جس کتابی ماخذ کی بنا پر جو کچھ بیان کریں گے بر محل حوالہ دیں گے۔

شاہ محمد عاشق کے اسلاف نسلاً صدیقی تھے اور کسی زمانے میں حجاز سے بر عظیم کے علاقے پورب میں بلدہ سدھور میں مقیم ہو گئے تھے ان میں سے ایک بزرگ شیخ احمد بن یوسف کی رسائی سلطان سکندر لودھی (ف ۱۵۱۶ء) کے دربار تک ہوئی اور سادات بارہہ کے علاقے میں چند گاؤں جاگیریں ملیں تو یہ خاندان پورب سے نواح دہلی میں منتقل ہو گیا اور پھلتی مرکز قرار پایا جو یوپی کے ضلع مظفر نگر قصبہ کھنولی کا ایک قریہ ہے اور دہلی سے اس کی مسافت ساٹھ میل ہے۔

شیخ محمد

شیخ احمد یوسف کے بھائی شیخ محمود کی پانچویں پشت میں محمد عاقل بن ابی الفضل بن ابی الفتی بن شیخ فرید بن محمود بن یوسف ایک عالم اور صاحب دل بزرگ تھے ان کے بڑے صاحب زادے کا نام شیخ محمد تھا۔ شیخ محمد نے ابتدائی تعلیم گھر میں حاصل کرنے کے بعد مزید تعلیم حاصل

کرنے کے لیے دہلی کا رخ کیا اور شاہ ابوالرضا محمد (ف ۱۱۰۰ھ) سے کچھ دن مستفید ہوئے اور پھر شاہ عبدالرحیم کے دامان کمال و ارشاد سے وابستہ ہو گئے اور آخر تحصیل علوم اور تربیت باطن سے فراغت حاصل کی اس کے بعد ایک طویل سفر پر روانہ ہو گئے اور مختلف و متعدد ممالک اسلامیہ کا سفر کر کے وطن واپس ہوئے اور درس و ارشاد میں صرف اوقات کرنے لگے ۱۱۲۵ھ میں مہلت میں وفات پائی۔

آپ کی ایک صاحب زادی اور دو صاحب زادے تھے صاحب زادی کا نام فخر النساء تھا اور وہ شاہ عبدالرحیم کی دوسری اہلیہ اور شاہ ولی اللہ کی والدہ تھیں، شاہ عبدالرحیم نے ایک بشارت کی بنا پر جب باون سال کی عمر میں دوسرا عقد کرنا چاہا اور شیخ محمد کو اس بشارت اور ارادے کا علم ہوا تو انھوں نے اپنی نحت جگر کی پیش کش کی اور شاہ صاحب کا عقد ہو گیا۔ بشارت کے مطابق ان کے بطن سے شاہ ولی اللہ اور شاہ اہل اللہ جیسے نام و در صاحب کمال فرزند پیدا ہوئے۔

شیخ محمد کے دو صاحب زادے تھے شیخ عبید اللہ اور شیخ حبیب اللہ۔

شیخ عبید اللہ

شیخ محمد کا بیان ہے کہ ایک روز باری تعالیٰ نے ایک شناسا کی شکل میں تجلی فرمائی جو گویا ایک بچے کی انگلی پکڑے ہوئے میری طرف آ رہا ہے اور میرے قریب آ کر فرمایا محمد! یہ بچہ تیرے گھر میں پیدا کرتا ہوں میں نے عرض کیا اے اللہ تیری مخلوق ہے جس گھر میں چاہے پیدا فرما۔ اس کے چند دن بعد شیخ عبید اللہ کی ولادت ہوئی، شیخ عبید اللہ نے اپنے والد سے تحصیل علوم کی اور ۱۱۳۳ھ میں جب شاہ ولی اللہ نے سفر حجاز کیا تو یہ بھی ان کے ساتھ تھے اور شاہ صاحب نے جن جن شیوخ حجاز سے استفادہ کیا شیخ عبید اللہ بھی ان کے ساتھ تھے چنانچہ شیخ ابوطاہر بن ابراہیم کر دی نے شاہ صاحب کو صحیح بخاری کی جو سند عطا فرمائی تھی اس میں شیخ عبید اللہ کا بھی نام درج تھا۔ ۱۱۳۵ھ میں حج و زیارت کے بعد وطن واپس ہوئے اور ۱۱۵۰ھ میں وصال فرمایا، شیخ عبید اللہ کے ایک صاحب زادے شاہ محمد عاشق اور ایک صاحب زادی فاطمہ تھیں فاطمہ سے شاہ ولی اللہ کی شادی ہوئی تھی جن سے ایک صاحب زادے شاہ محمد اور دو صاحب زادیاں امہ العزیز اور صالحہ ہوئیں۔

شاہ محمد عاشق

ولادت ۱۱۱۰ھ شمسیر آن مجید اور نصاب صبیاں اپنے نانا شیخ عبدالوہاب سے پڑھامیزان
الصرف اور نصف بوستان سعدی اپنے دادا شیخ محمد سے پڑھیں پھر معقول و منقول کی عام درسی
کتابیں شرح مواقف تک اپنے والد شیخ عبداللہ سے پڑھیں البتہ کافیہ اور شرح ملا جامی اپنے چچا شیخ
حبیب اللہ سے پڑھیں پھر دہلی پہنچے اور شاہ ولی اللہ سے شرح تجرید مع حاشیہ قدیر و شمس بازند و محکم
الاصول، افق المبین اور کسی قدر صحیح مسلم کا درس لیا، صحیح بخاری اور داری کا درس مکہ معظمہ میں لیا۔

دہلی میں شاہ صاحب کا گھرانہ ان کے لیے اجنبی نہیں تھا، شاہ عبدالرحیم کی اہلیہ ان کی
پھوپھی اور شاہ ولی اللہ کی اہلیہ ان کی جیتی بہن تھیں شاہ محمد عاشق اگرچہ شاہ ولی اللہ سے چار سال
بڑے تھے مگر دونوں میں باہم محبت تھی، شاہ عبدالرحیم اس محبت سے بہت خوش تھے۔

”روزے در او خرایام خود بایں فقیر و صلاح آثار محمد عاشق اشارت کرد فرمودند کہ بایک
دگر بسیار دوستی دارند و ایں دوستی سبب ابتاج و سرور من می شود و سرائیں کلمہ من بعد بظہور پیوست کہ ایں
عزیز بایں فقیر ارتباط طریقہ پیدا کردہ منتفع شد و امید است کہ ایں دوستی شرف و فائدہ بسیار باشد“
”شاہ عبدالرحیم نے اپنی زندگی کی آخری دنوں میں ایک بار میری اور محمد عاشق کی طرف
اشارہ کر کے فرمایا کہ ان دونوں کی آپس میں گہری دوستی ہے اور اس دوستی سے مجھے بہت خوشی ہوتی
ہے، والد مرحوم کی اس بات کا راز بعد میں کھلا کہ محمد عاشق نے خاکسار سے بیعت کی اور نفع حاصل کیا
امید ہے کہ یہ دوستی بہت سے فوائد پر منتج ہوگی۔“

شاہ ولی اللہ جب ۱۱۴۳ھ میں حج و زیارت کے لیے روانہ ہوئے تو شاہ محمد عاشق اور ان
کے والد شیخ عبید اللہ بھی ہم راہ تھے۔ چنانچہ شیخ ابو طاہر کردی نے روایت حدیث کا جو اجازہ
۲۲ رجب ۱۱۴۳ھ کو لکھ کر دیا تھا اس میں لکھتے ہیں: ۵

وكان ختمه بحضرة جماعة من الفضلاء منهم خاله المراقب في الله
الشيخ عبید اللہ وابن خاله المذكور الارب مرآة کماله و خدین جمیل خصاله
الذی لم یزل لسانه بذکره الله الوثاق بالصمد الخالق مولانا محمد عاشق صانه

اللہ من البرائق ورفاه اللہ علی مراتب الکمال و صرف عنه کل فائق
وسمع علی الامم.....

..... بقراءة ابن خالہ الشیخ محمد عاشق.....

... اجزت لسیدتنا الشیخ ولی اللہ المذکور وخالہ وابن خالہ
الممجدین فی اعلیٰ الستور

صحیح بخاری کی قرأت وساعت کا ختم کئی فضلاء کے سامنے ہوا جن میں سے ایک شاہ
صاحب کے ماموں شیخ عبید اللہ اور شیخ عبید اللہ کے صاحب زادے مولانا محمد عاشق بھی ہیں۔
شاہ صاحب نے مجھ سے میرے والد کا ثبت الام سنا کتاب کی قرأت ان کے میسر ہوئی بھائی شیخ محمد
عاشق نے کی۔

میں نے شاہ صاحب، ان کے ماموں اور میرے بھائی کو روایت حدیث کی اجازت دی۔
اخذ فیض، حصول اجازت ادا سے فیض، حج اور سعادت زیارت سے شرف اندوز ہونے
کے بعد یہ کارواں فضل و تقویٰ دیار نبی سے رخصت ہو کر ۱۴ رجب ۱۱۴۵ھ کو دہلی پہنچا۔

شاہ محمد عاشق کا وصال ۱۱۸۷ھ میں ہوا مزار بھلت میں ایک احاطے کے اندر ہے جو
خانقاہ شاہ محمد عاشق کہلاتا ہے اس میں چار مزار ہیں:

(۱) شاہ محمد عاشق

(۲) شاہ عبدالرحیم فائق

(۳) تیسرا مزار شاہ محمد عمر بن شاہ اہل اللہ کا بتایا گیا ہے، شاہ اہل اللہ کے محمد عمر نام کے
کوئی فرزند نہیں تھے۔

(۴) چوتھے مزار کی تحقیق نہیں ہو سکی۔

اخلاف

شاہ محمد عاشق کے دو صاحب زادے اور ایک لڑکی ذاکرہ تھیں۔ شاہ عبدالرحمن شاہ
عبدالرحیم فائق۔

شاہ عبدالرحمن بڑے صاحب زادے تھے خیال ہے کہ انھوں نے اپنے والد کے علاوہ شاہ ولی اللہ سے بھی تحصیل علم کی ہوگی شاہ ولی اللہ اپنے ایک عربی مکتوب میں شاہ محمد عاشق کے نام لکھے ہیں :-

”قد وصل الولد العزيز عبدالرحمن مع اولاده بالخير والعافيه وقد تلقيناه تلقيناً حسناً وقرأ على من كتاب الفوز الكبير شيئاً وعسى أن يقرأ على هذا النمط حتى ينتهي ان شاء الله تعالى“

”عزیزم عبدالرحمن اور ان کے اہل عیال یہاں بخیر و عافیت پہنچے اور ہم نے ان سے اچھی طرح ملاقات کی اور انھوں نے مجھ سے کتاب فوز الکبیر کا کچھ حصہ پڑھا امید ہے کہ اسی طرح پڑھ کر یہ کتاب ختم کر لیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔“

معلوم ہوتا ہے کہ شاہ عبدالرحمن اس وقت تعلیم سے فارغ ہو چکے تھے اور صاحب اہل و عیال ہو چکے تھے اور ملاقات کے لیے دہلی پہنچے تو شاہ صاحب نے اپنی تازہ تالیف الفوز الکبیر پڑھانی شروع کر دی۔

شاہ عبدالرحمن کا ایک اہم کارنامہ شاہ ولی اللہ کے مکاتیب کی جمع و تدوین ہے یہ مجموعہ انھوں نے شاہ صاحب کی حیات ہی میں مرتب کر لیا تھا جو ۲۷ مکاتیب پر مشتمل ہے۔ اس کا دوسرا حصہ ان کی وفات کے بعد ان کے والد شاہ محمد عاشق نے مرتب کیا تھا جس میں ۷۷ مکاتیب ہیں، ان میں سے سیاسی نوعیت کے مکاتیب خلیق احمد نظامی نے سیاسی مکاتیب کے نام سے عرصہ ہوا شائع کر دیئے تھے، اب یہ مکمل مجموعہ دو حصوں میں مولانا نسیم احمد فریدی کا مرتبہ اور مترجمہ پروفیسر نثار احمد فاروقی نے اپنے مقدمہ کے ساتھ نادر مکتوبات کے نام سے شائع کر دیا ہے۔

شاہ عبدالرحمن کا ۱۱۶۹ھ میں نوعمری میں وصال ہو گیا تھا شاہ ولی اللہ کو اس حادثے کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے شاہ محمد عاشق کے نام تعزیت نامے میں تحریر فرمایا۔

”خبر وحشت اثر رسید ندامت کہ در برابر آں چہ نویسم زیرا کہ حادثہ واقع شدہ است کہ در

عالم بشریت حادثہ شدید تر از ان نمی باشد“

شاہ عبدالرحمن کا عقد شاہ ولی اللہ کی دختر لہ العزیز عرف مسیتی (ولادت ۱۱۳۹ھ) سے ہوا تھا۔

شاہ عبدالرحمن کے دو بیٹے تھے ابو الفضل اور ثناء اللہ، ابو الفضل کے بیٹے کا نام ابو الفرح اور ان کے بیٹے کا نام ابو الفتح تھا۔ ثناء اللہ کے دو بیٹے تھے محمد عثمان اور محمد یوسف، محمد یوسف کی لڑکی کا نام اللہ بندی تھا۔

شاہ عبدالرحیم فائق کا عقد فرخ بست شاہ ولی اللہ سے ہوا تھا ان کے تین صاحب زادے اور ایک لڑکی تھی۔ محمد صادق، محمد معصوم، عبدالسلام اور فاطمہ۔ اولیٰ الذکر دو لاد لدر ہے۔ فاطمہ کا عقد شاہ معظم اللہ فرزند شاہ ابی اللہ سے ہوا تھا۔ عبدالسلام کا قیام دہلی میں خانقاہ عزیز یہ میں رہا ان کے صرف ایک صاحب زادے تھے شاہ محمد زکریا ان کا عقد مولانا نواب قطب الدین خاں کی بہن بادشاہ بیگم سے ہوا تھا ان کے اخلاف کا شجرہ (دیکھیں ص ۱۳۵)

سلاطین و مریدین

شاہ ولی اللہ نے اپنے پیش نظر عظیم مقاصد کی خاطر منصوبہ بندی کی تھی انھوں نے ابتداء درس پر توجہ دی اور محنت کر کے مختلف فنون کے مختص علما کی ایک ایسی جماعت پیدا کر دی جو ان کی اعانت و نیابت کر سکے اور اس کے بعد مدرس کے فرائض اس جماعت کے سپرد کر کے خود فکر و تحقیق اور تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گئے۔

شاہ محمد عاشق اس گروہ کی جان اور اس جماعت کے بڑے ممتاز فرد تھے جو نہ صرف شاہ ولی اللہ کی بہترین صلاحیتوں سے مستمع ہوئے بلکہ مختلف اساتذہ وقت سے استفادے میں ان کے رفیق بھی رہے تھے چنانچہ وہ پمخت اور دہلی میں درس و افتادہ کے فرائض انجام دیتے رہے تھے ان کے بڑے ممتاز شاگردو شاہ ولی اللہ کے پانچوں فرزند تھے سب سے بڑے صاحب زادے شیخ محمد جواہر نسیمال (محنت) میں سکونت پذیر تھے یقیناً شاہ محمد عاشق کے زیرِ درس و تربیت رہے ہوں گے اور شاہ ولی اللہ کو سب سے زیادہ اعتماد اس بات پر ہو گا کہ محنت میں شیخ محمد کے حقیقی ماموں شاہ محمد عاشق ہیں پھر جب ۳۵ سال کی عمر میں ان کے بھائی شاہ عبدالعزیز پیدا ہوئے تو ظاہر ہے کہ ان

کی تعلیم کی ابتدائی مراحل بھی شاہ محمد عاشق نے طے کرائے ہوں گے۔ متوسطات کی تعلیم شاہ ولی اللہ نے ہی دی لیکن تعلیم کی تکمیل سے پہلے ہی باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا تو قاتحہ فراغ انھوں نے شاہ محمد عاشق سے ہی پڑھا اور اجازت بھی انہی سے لی۔^{۱۱} شاہ رفیع الدین جو والد کی وفات کے وقت ۱۳ سال کے تھے اور میبذی پڑھتے تھے شاہ عبدالقادر نو سال کے اور صرف میر پڑھتے تھے۔ شاہ عبدالغنی جو پانچ سال کے تھے اور قرآن کریم حفظ کر رہے تھے ان سب نے شاہ محمد عاشق سے درسیات پڑھیں۔ خود ان کے فرزند ان گرامی نے ان سے تحصیل علم کی ہوگی بھلت کے کئی گم نام علما ان سے تلمذ کی نسبت رکھتے ہوں گے۔

ان حضرات کے ساتھ قاعدے کے مطابق طلبہ کی ایک جماعت ہوتی ہوگی اگرچہ ان میں سے چند کے ناموں کا علم ہو سکا۔

ان کے مشغلہ مدرس کا ایک ثبوت شاہ عبدالعزیز کا یہ بیان^{۱۲} ہے کہ

وہ ایک روز:

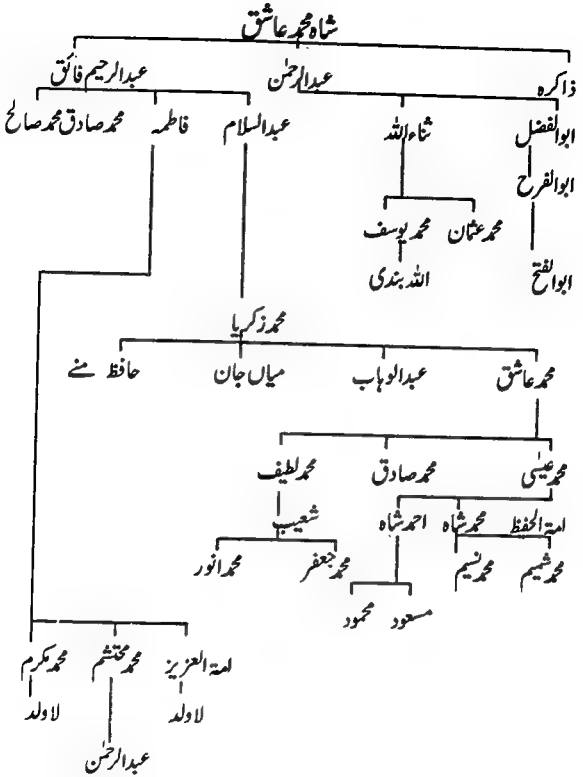
”شاگردے را بکمال وقت می خواندند و نسبت در عین اشتغال ملاحظہ کردم در عایت جوش بود،
”ایک شاگرد کو بڑی توجہ سے پڑھا رہے تھے مگر میں نے محسوس کیا کہ اس مشغولیت کے دوران بھی نسبت پوری طرح جوش میں تھی۔“

مدرس کے ساتھ وہ ارشاد وترکیہ باطن کے فرائض بھی انجام دیتے ہوں گے وہ شاہ ولی اللہ کے ”اجل خلفا“ تھے خود شاہ صاحب کی حیات میں اپنے نواح کے طالبان تربیت کی طرف توجہ فرماتے ہوں گے پھر ان کے فضل و کمال اور زبد و تقویٰ کا شہرہ دور دور پہنچا ہوگا اس لئے دور دور سے احتیاج مند ان کی طرف رجوع کرتے ہوں گے اور شاہ ولی اللہ کے وصال کے بعد خصوصاً شاہ عبدالعزیز کی نوعمری تک شاہ صاحب کے متوسلین بھی انہی کی طرف رجوع کرتے ہوں گے چنانچہ حکمیرائے بریلی کے میر ابو سعید نے انہی سے اجازت و خلافت حاصل کی تھی ہم کسی جگہ شاہ عاشق کی وہ تحریر نقل کریں گے جو انھوں نے میر ابو سعید کو بطور اجازت لکھ کر دی تھی اسی طرح خود شاہ ولی اللہ کے صاحب زادے شاہ رفیع الدین نے شاہ محمد عاشق ہی سے بیعت کی تھی^{۱۳} ہاں شاہ عبدالقادر شاہ

عبدالعدل دہلوی سے بیعت تھے البتہ شاہ عبدالغنی ممکن ہے نہ ہوئے ہوں اس لیے کہ ان کے بلوغ تک شاہ عبدالعزیز عمر کی اس منزل میں آ گئے تھے کہ ان کی طرف بھی رجوع کیا جاسکتا تھا۔

حواشی:

- ۱۔ القول الجلی ص ۹
- ۲۔ اتحاف انبیہ مایحتاج الیہ الحمد للہ و القیہ ص ۱۸۱-۱۹ مطبع لاہور
- ۳۔ القول الجلی ص ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶
- ۴۔ الجزء اللطیف ص ۱۹۲ مطبع احمدی دہلی۔
- ۵۔ اتحاف انبیہ ص ۱۸
- ۶۔ مکتوب شاہ عبدالعزیز بنام ابوسعید رائے بریلوی، ماہنامہ الفرقان لکھنؤ
- ۷۔ ذخیرہ قیوم منزل بھوپال۔
- ۸۔ نادر مکتوبات، جلد دوم ص ۶۳
- ۹۔ ذخیرہ قیوم منزل بھوپال
- ۱۰۔ عمالہ نافعہ مع فوائد جامعہ شاہ عبدالعزیز/ مولانا ڈاکٹر عبدالکلیم چشتی ۱۸ مقالات طریقت ص ۱۸
- ۱۱۔ ملفوظات عزیزی، ص ۱۸
- ۱۲۔ مقالات طریقت، ص ۱۸
- ۱۳۔ فتاویٰ عزیزی، ص ۱۸۲ انجمنی دہلی ۱۳۱۱ھ
- ۱۴۔ مطبوعہ مطبع محمدی ٹونک ۱۲۸۴ھ
- ۱۵۔ ارشاد محمدی، ص ۱۵ محبوب المطابع میرٹھ ۱۳۰۸
- ۱۶۔ فہرست کتب خانہ رام پور، ص ۶۹۹ مرتبہ احمد علی خاں شوق
- ۱۷۔ فتاویٰ عزیزی، ص ۱۸۱
- ۱۸۔ ایضاً
- ۱۹۔ مطبع فاروقی دہلی ۱۳۹۳ھ



تصانیف و تالیفات

القول الجلی

شاہ محمد عاشق کی تصانیف میں سرفہرست ان کی کتاب حیات شاہ ولی اللہ القول الجلی ہے جو نہ صرف اس لحاظ سے اہم ہے کہ وہ براعظم کی ایک عظیم شخصیت کی سوانح حیات اور اس موضوع پر اولین ماخذ ہے بلکہ اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ یہ سوانح اس فرد کی تصنیف ہے جو شاہ صاحب کے کمالات و فضائل کا وارث اور امین تھا ان کی زندگی کا ہر دور جس کی نظر میں تھا ان کے اصلاحی و تجدیدی کارناموں پر جس کی نظر سب سے زیادہ وسیع تھی جو ان کی تجویزوں، آرزوؤں، حسرتوں اور ان کی تمنائوں کا راز داں تھا جو ان کی بیش تر تالیفات کا ”سبب تالیف“ تھا اور ان کی اکثر تحریروں کا اولین مخاطب تھا۔

کتاب خود شاہ صاحب کی زندگی میں مرتب ہو گئی تھی چنانچہ خود شاہ صاحب نے الجزء اللطیف میں اس کتاب کے مندرجات کی تصویب کی ہے۔

شاہ صاحب کے سوانح اور ان کے علوم و معارف پر اتنی اہم دستاویز عرصے سے نایاب تھی۔ نواب صدیق حسن خاں اور مولوی رحمان علی اور مولوی سید احمد ولی اللہی کے پیش نظر رہی تھی، ان میں پہلے دونوں حضرات نے تو اس کا ذکر کیا ہے مگر مولوی سید احمد نے کہیں اس کا ذکر نہیں کیا مگر جس نے بھی ان کی تمام تحریریں پڑھی ہیں اسے اندازہ ہو گا کہ یہ کتاب یقیناً ان کے پیش نظر رہی ہے ان حضرات کے بعد پھر کسی مورخ نے کبھی اس کا حوالہ دیا نہ اس کے مطالعہ کا ذکر کیا۔

ہم نے اس کتاب پر مفصل مضمون لکھا ہے جو کتاب میں شامل ہے اس لیے اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

مکاتیب شاہ

شاہ محمد عاشق نے سلسلے کی ایک اہم خدمت یہ انجام دی کہ انھوں نے جہاں شاہ صاحب کی دوسری تحریریں محفوظ و مرتب کیں وہاں ان کے ہر نوع مکاتیب کے جمع اور محفوظ کرنے کا بھی اہتمام کیا خواہ وہ دینی نوعیت کے ہوں یا محض ذاتی یا سیاسی۔ یہ کام انھوں نے شاہ صاحب کی زندگی ہی میں شروع کر دیا تھا ابتداء انھوں نے یہ کام اپنے بیٹے شاہ عبدالرحمن کے سپرد کیا تھا جنھوں نے اپنی وفات ۱۱۶۸ھ تک مکاتیب شاہ جمع کئے اور ۲۸۱ مکاتیب جمع کر لیے تھے ان کی وفات کے بعد یہ کام شاہ محمد عاشق نے خود سنبھالا اور مزید ۷۷ مکاتیب جمع کر کے ۳۵۸ مکاتیب کا مجموعہ مرتب کر دیا۔ اس مقصد کے لیے آپ نے ممکن ہے شاہ صاحب سے بھی نقول حاصل کی ہوں اور مکتوب البسم سے بھی چنانچہ شاہ ابوسعید رائے بریلوی کے نام ایک خط کا اختتام اس طرح کرتے ہیں۔

”دیگر التماس آں کہ خطے کہ حضرت میاں صاحب بایشان نوشتند نقل آں

برداشتہ بایں فقیر عنایت فرماید وہم چنیں نقل خطوط سابقہ نیز مرحمت فرما

ہند و دریں باب ہرگز تغافل تجویز نہ نمایند“

”ایک اور گزارش یہ ہے کہ حضرت میاں صاحب نے جو خط آپ کو لکھا ہے

اس کی نقل کر کے مجھے بھیج دیں اس طرح سابقہ خطوں کی نقلیں بھی بھیجیں

اس بارے میں غفلت ہرگز نہ کریں۔“

اس مجموعہ مکاتیب کا صرف ایک مخطوطہ مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوری۔ کتب خانے

میں تھا جس پر مولانا نسیم احمد فریدی جیسے زیدہ در کی نظر پڑ گئی انھوں نے ان کو نقل کیا اور ترجمہ کیا

اور پہلے تو ان مکاتیب میں سے سیاسی خطوط منتخب کر کے اپنے خواہر زادے جناب خلیق احمد نظامی کو

دیئے جنھوں نے ایک مقدمے کے ساتھ اسے شاہ ولی اللہ کے سیاسی خطوط کے نام سے شائع کیا

پھر یہ علمائے مجموعہ مولانا مرحوم کے برابر زادے نامور محقق جناب نثار احمد فاروقی نے اپنے مفصل

مقدمے کے ساتھ نادر مکتوبات کے نام سے شائع فرمادیا۔

سبیل الرشاد

سبیل الرشاد لائل الحجۃ والوداد، اس کتاب کے کسی مخلوطے کا بھی علم نہیں ہے، حسن اتفاق سے اس کا تفصیلی ذکر شاہ عبدالعزیز نے فرمایا ہے ایک صاحب نے درود اور سید الاستغفار کے تعلق دریافت کیا تھا اس کے جواب میں سید الاستغفار کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

”سید الاستغفار در کتاب سبیل الرشاد مذکور است و تمام آں جواہر نفیسیہ ست۔۔۔ و آن کتاب گویا خلاصہ سلوک خاندان ماست خصوصاً فوائد سلوکیہ از حضرت والد ماسوے طالبان دمریدان فیضان نمودہ در آں مجموعہ مندرج ست حضرت شاہ محمد عاشق قدس سرہ کہ اجل خلفاء حضرت والد ماجد بودند آں را تالیف فرمودہ اند بقدر شش جز باشد“

”سید الاستغفار کتاب سبیل الرشاد میں مذکور ہے اس کتاب میں نفیس جواہر ہیں۔۔۔ اس کتاب میں گویا ہمارے خاندان کے سلوک کا خلاصہ آگیا ہے خصوصاً میرے والد ماجد نے سلوک کے جو قاعدے مریدوں اور طالب علموں پر فیضان کر دیئے ہیں اس کتاب میں درج کیے گئے ہیں حضرت شاہ محمد عاشق قدس سرہ جو میرے والد ماجد کے اجل خلفائے تھے انھوں نے یہ کتاب تالیف کی ہے حجم چھ جز کے بقدر ہوگا“

پیر مرتضیٰ خان رام پوری (خلیفہ سید احمد شہید) نے اپنی کتاب دافع الفساد و نافع العباد کے مقدمے میں اپنے ماخذ میں سبیل الرشاد کا نام بھی لکھا ہے اور تین مقامات پر ایک ہی عبارت کا اردو ترجمہ دیا ہے چوں کہ اس کتاب کی کسی عبارت کا کوئی اقتباس یا ترجمہ بھی ہماری نظر سے نہیں گزرا اس لیے تحریر کا یہ ترجمہ نقل کرتے ہیں۔ ۱۱

شیخ محمد عاشق پھلپی کہ خلیفہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کے تھے اپنے رسالے سبیل الرشاد میں لکھتے ہیں ”جو کوئی شخص یا اللہ یا اللہ یا اللہ اپنی زبان سے پڑھے اور ملاحظہ

کرے پڑھنے کے وقت میں کہ ایک نور اس کے منہ سے باہر آتا ہے یعنی پڑھنے والے کے، جب قریب تین لاکھ کے پورے کرے اس شخص کے تئیں ایک مناسبت ساتھ حقیقت اس اسم کی کہ بیچ عالم ملکوت کے جگہ پکڑنے والی ہے ظاہر ہوتی ہے۔“

شیخ محمد تھانوی اپنی کتاب ارشاد محمدی میں درود شریف اللہم صلی علی من منہ انشقت الامصار کے درود کے متعلق لکھتے ہیں: ۱۵

”اس کا ورد کرنا بہت فائدہ رکھتا ہے خصوصاً پڑھنا صبح و شام اول مرتبہ تین تین بار صبح و شام اور پچھلے کو حضرت شاہ محمد عاشق چلتی علیہ الرحمۃ نے سبیل الرشاد میں لکھا ہے اور فقیر کا مجرب ہے“

تقریر خیر کثیر

شاہ ولی اللہ کی معروف تصنیف الخیر الکثیر پر شاہ محمد عاشق نے ایک حاشیہ لکھا تھا جس کے خطبے میں انھوں نے لکھا ہے کہ یہ کتاب شاہ صاحب نے انھیں پڑھائی تھی اور دوران درس جو تفصیل و تشریح حضرت مصنف فرماتے تھے میں اس کو لکھتا جاتا تھا یہی مجموعہ تقریرات مرتب کر کے کتاب کا حاشیہ قرار دیا“

اس حاشیہ کا مخطوطہ رضا لاہوری رام پور میں ہے۔ ۱۶ ص ۸۸

شرح دعاء الاعتصام من تعلیم ولی الانعام

شاہ ولی اللہ کی متعدد گم شدہ تصانیف کی طرح ان کی ایک کتاب الاعتصام الامین ہے، شاہ عبدالعزیز کا بیان ہے محلہ کے والد بزرگ فقیر دعا موسوم اعتصام تصنیف۔ ”ودہ اند بزبان عربی، اس کتاب کی شرح شاہ محمد عاشق نے لکھی تھی افسوس کہ یہ کتاب بھی نایاب ہے شاہ عبدالعزیز سے مرزا حسن علی لکھنوی نے دریافت کیا تھا کہ اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ غیر انبیاء معصوم نہیں ہوتے مگر شاہ ولی اللہ نے تہذیبات الہیہ میں اور آپ نے ایک رسالے میں صفات اربعہ حکمت، غفلت، وجاہت اور قطیعت باطن کا اطلاق ائمہ اثنا عشر پر کیا ہے اس مخالف کی کیا توجیہ ہے اس کے جواب میں شاہ صاحب ۱۸ نے لکھا ہے

”نزد صوفیا معانی اصطلاحیہ اند خصوصاً در کتب مصنفہ حضرت والا ماجد قدس سرہ مفصل مذکورند۔۔۔۔۔ شرح اعتصام از تصانیف شاہ محمد عاشق پھلتی قدس سرہ اگر بہم رسد وانی کافی ست“

”صوفیا کے ہاں اصطلاحی معنی ہوتے ہیں جو خصوصاً والد ماجد کی تصانیف میں مفصل مذکور ہیں۔۔۔۔۔ شرح اعتصام شاہ محمد عاشق پھلتی قدس سرہ کی تصنیف ہے اگر حاصل ہو سکے تو اس باب میں وانی و کافی ہے“

شاہ عزیز کی اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اصطلاحات صوفیہ کے معانی و مفہیم پر بھی اس کتاب میں عالمانہ و محققانہ گفتگو کی گئی ہے۔

اس کتاب شرح دعاء اعتصام پر شاہ ولی اللہ نے ایک تقریب منظم لکھی تھی۔

لنک ما ارضیت ذرۃ حقہ
من الخس و الخیش و الفہم و الفکر
و تحک عن طے العلوم و نشرھا
و تلمک اصناف الجواہر و الدرر
و حفظک للرمز الخفی مکاتہ
و خوضک بحر اذخر ای بحر
لہ ما اوتیت من خلل النی
و لہ ما اعطیت من عظم الغفر

کشف الحجاب عن رموز فاتحہ الکتاب

درایات الاسرار

ان دو کتابوں کا ذکر خود شاہ محمد عاشق نے القول الجلی میں فرمایا ہے مگر افسوس ہے کہ اس

ذکر کے سوا ہمارے سرمایہ علم میں اور کچھ نہیں ہے۔

متفرق تحریریں

مقدمہ الخیر الکثیر

خیر کثیر کا جو مخطوط ہمارے ذخیرے (برکات اکیڈمی) میں ہے اس کے آغاز میں شاہ محمد عاشق کا ایک مقدمہ ہے، جو دوسرے مخطوطات میں ہمارے علم کی حد تک نہیں ہے کئی لحاظ سے اہم ہے۔
اولاً شاہ محمد عاشق کی ایک نایاب تحریر ہے۔

ثالثاً اس سے شاہ ولی اللہ کی ذات سے ان کی شیفتگی اور ادبیات شاہ سے ان کے شغف کا اندازہ ہوتا ہے۔

ثالثاً شاہ ولی اللہ کی بعض تالیفات کے عہد تالیف کا تعین ہوتا ہے۔

رابعاً یہ بھی علم میں آتا ہے کہ شاہ صاحب کے تحریری کاموں کے سرانجام پانے میں شاہ محمد عاشق کا کتنا ہاتھ ہے اور ان کا تعاون شاہ صاحب کو حاصل نہ ہوتا تو ادبیات شاہ اس شکل میں ہمارے سامنے نہ ہوتے۔

ذیل میں متن کو حذف کر کے اس کا آزاد ترجمہ اور خلاصہ پیش کرتے ہیں۔

حمد و نعت کے بعد۔ جب اللہ کسی فرد کا مل کو اپنے علوم و اسرار کی مظہریت کے لیے منتخب فرماتا ہے تو اس فرد سے علوم و اسرار کا ظہور علوم رسمہ کسبیہ کے طرز پر نہیں ہوتا بلکہ وہ علوم حسب واردات و تقریبات بروز کرتے ہیں کبھی مخاطبت کے اسلوب میں کبھی عربی میں، کبھی فارسی میں، کبھی رمز و اشارت میں، کبھی بسط و تفصیل کے ساتھ، کبھی ایک اصطلاح میں، کبھی دوسری اصطلاح میں، ایک ہی مطلب و معنی کی ایک ہی روپ میں تکرار ہوتی ہے، کبھی روپ بدل دیا جاتا ہے اس لیے ان علوم و اسرار سے استفادہ اور استفادے کے آداب یہ ہیں کہ جن اوضاع و اسالیب میں ان کو منہج و صدور ہوا ہے ان نجات الہیہ اور واردات غیبیہ سے تعرض اسی وضع و شکل میں کیا جائے اور بغیر کسی تصرف

کے ان کی حفاظت کی جائے اس دور میں اس مقام (کاملیت) پر فائز شیخ ولی اللہ کی ذات والا ہے، سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ”زکی“ اور ”حکیم غزہ الامت“ کا خطاب مرحمت فرمایا اور آپ کے علوم و اسرار اور حقیقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم و اسرار ہیں اور ان کی حفاظت ارشادِ گرامی نصر اللہ امرء مع معانی صونا حاتم ادا کا سمعھا“ بشارت میں شمول کا باعث ہے اس کم ترین خاک بوسان آستانہ ولیہ احمد یہ فقیر محمد عاشق ملقب بہ علی بن شیخ عبید اللہ بارہوی پھلتی پر اللہ تعالیٰ کے انعامات و الطاف میں سے ایک یہ ہے جسے صرف تحدیثِ نعمت کے لیے لکھتا ہوں بدشعور سے میرے دل میں شاہ صاحب کی عقیدت راسخ کر دی گئی اور ظہورِ اسرار کے آغاز سے مجھے تخصیص خطاب کا شرف عنایت ہوا چنانچہ حضوری میں مکالمے اور دوری میں مراسلے کے وسیلے خطاب سے مشرف ہوتا رہا یہاں تک کہ اگر میں اس بات کی قسم کھالوں تو ان شاء اللہ حادث نہیں ہوں گا کہ آپ کے جس قدر علوم و اسرار کا خصوصاً تصوف کے باب میں ظہور ہوا ہے وہ میرے لیے ہوا ہے اور مجھ سے خطاب و گفتگو میں ہوا ہے ان میں ہے اکثر معارف ایسے ہیں جن میں اس خاکسار کا کوئی سہیم و شریک نہیں ہے اور کسی تحریر کا مخاطب اگرچہ بظاہر دوسرا بھی ہے مگر جیسا کہ آپ ہی کا ایک عربی شعر ہے

و انی و ان خاطبت الف مخاطب

فانت الذی اعنی و انت الخطاب

(میرا وہی ہوں ایک ہزار کی طرف ہو مگر میرا مقصود اور مخاطب تم ہی ہوتے ہو۔)

اس تخصیصِ سعادت کے پیش نظر مجھے ان کلمات کی توفیق ہوئی چنانچہ یہ علوم و معارف:

☆ اگر کتب و رسائل کے مسودات کی شکل میں تھے تو انھیں میض کیا۔

☆ رقعات کی شکل میں اور متفرق و منتشر تھے تو انھیں مدون کیا اور مستقل رسائل کی شکل

دی۔

☆ اضافات باطنی جو بے قید تحریر و خطاب میرے آئینہ قلب پر منعکس ہوئے تھے انھیں

عربی یا فارسی میں قلم بند کر کے تصویب کے بعد مدون منضبط کیا۔

مختصر یہ کہ الحمد للہ ایک کلر بھی حتی المقدور ضائع نہیں کیا یہاں تک کہ آپ ہی نہیں آپ کے بعض اصحاب کے احوال و اقوال بھی جتنے ہو سکے جمع کر لیے اور اس کام میں ایک عمر صرف کردی اور الحمد للہ جمع و تالیف کے اس کام میں قضاے شوق کے سوا کچھ اور منظور نہ تھا۔

اب سنہ ۱۱۶۱ھ میں یہ ارادہ کیا ہے کہ تصوف پر ان کے تمام رسائل کو ایک جلد میں جمع کر کے ایک کلیات مرتب کر دوں۔

اس عزم کی تکمیل سے قبل جب مندرجہ بالا سطور آں محترم کی نظر سے گزریں تو غایت اشراح و انبساط خاطر کے عالم میں بڑے اہتزاز کے ساتھ بندہ فوازی فرمائی اور حسب ذیل کلمات تحریر فرما کر مجھے اعزاز و امتیاز کا شرف بخشا۔

منکم بدء الامرو نینا و هذا امر منکم بدء و الیکم يعود

و تلک کلمۃ کنتم احق بها و اهلها و حق الرب المعبود

تمہیں سے آغاز و انجام ہے اس کام کی ابتدا بھی تم سے کی اور انتہا بھی تم پر

ہوگی ان کے تم ہی سب سے زیادہ اہل اور مستحق ہوا بخدا!

خدا یا تو ہی جانتا ہے کہ میں اس بے اندازہ نعمت کے شکر کی استطاعت نہیں رکھتا۔

پھر میں نے طے کیا ہے کہ اس کلیات میں تقریباً بیس رسائل جمع کر دوں اور ان کی ابتدا

الخیر الکثیر سے کرتا ہوں کہ یہ کتاب اسی کی مستحق ہے۔

مکتوب

ذیل میں شاہ محمد عاشق کا وہ خط نقل کیا جا رہا ہے جو انہوں نے میر ابو سعید بریلوی کے نام

لکھا تھا:

سعادت و نقابت مرتبت، خلاصہ دود ماں حقائق و معارف آگاہ، فضائل دست گاہ میر

ابو سعید بریلوی جو سلمہ اللہ تعالیٰ بعد از سلام اشواق التیام از فقیر محمد عاشق مشہود ضمیر معارف تخمیر باد کہ

الحمد لله على العافية ونسئل الله تعالى ان يديم لنا ولكم اياها، اشفاق نامہ کہ بہ میاں شاہ نور اللہ جیو و فقیر ار
قام فرمودہ بودند و رود و نمود الحال کہ فقیر بجهت شرف ملاقات ملازمت حضرت قبلہ کو نین مد اللہ
ظہیم العالی رسید عرضی ایشان را کہ بجناب حضرت ارسال داشتہ بودند مطالعہ نمود و مواجید خاصہ کہ
بفضل الہی نصیب ایشان شدہ ملاحظہ کردہ و این معنی موجب نہایت خوشی و شادی گردیدہ و حمد الہی
و شکروے تعالیٰ بجا آورد اللهم زد و فر دغم زد انشاء اللہ تعالیٰ بعد وصول و طن نیاز نامہ بخد مت خواہد
نوشت امید کہ بدعائے خیر یاد دارند زیادہ چہ التماس نماید۔ والسلام میاں محمد عقیق جیو سلام مطالعہ نمایند
از محمد فائق سلام مطالعہ۔ باد۔

المصنفی پر تحریر

شاہ ولی اللہ نے موطا امام مالک کی ایک شرح عربی میں المصنفی کے نام سے لکھی تھی،
اور اس کے بعد المصنفی فی احادیث الموطا کے نام سے فارسی میں ایک اور شرح لکھی تھی یہ شرح شاہ
صاحب کی زندگی میں ہمیش نہیں ہو سکی تھی یہ کام شاہ محمد عاشق کی نگرانی میں انجام کو پہنچا چنانچہ شاہ
محمد عاشق نے اس کی روداد قلم بند کی جو کتاب کے آخر میں درج ہے۔ ۱۹

”اما بعد فقیر محمد عاشق بر ضمیر صنایع یرطالباں صادق واضح می گرداند کہ چون اس کتاب
مصنفی شرح موطا امام مالک، از قلم فیض رقم حجۃ اللہ حضرت شاہ ولی اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، وارضاء بہ
تسویہ رسید بہ سبب اشتغال با شغال دیگر توجہ بہ ترتیب و تہذیب آں مسودات مبذول نشد و مدتہ غیر
مرتب ماند ہر چند گوشہ خاطر و مبارک بآں طرف ہمیشہ مصروف بود لیکن صورت نمی گرفت تا آں کہ
روح پر فتوح ایشان بہ طلاء اعلیٰ پرواز فرمود و چون ایں واقعہ رو نمودار کسے را از عقیدت مندان ہوش نما
ند کہ بتقص آں اوراق پرواز تا بعد مدت پنج یا شش ماہ صالحے حضرت ایشان را در خواب دید کہ گویا می
فرمایند کہ بہ ترجمہ موطا شوق بسیار دارم و اظہار شغف بآں فرمایند آں نزد کاتب حروف آں بشری
نمود از ہماں وقت شغفہ متعلق بہ ترتیب و تمییز آں مسودات بخاطر م افتاد و نزد حافظہ کلام رب
العالمین خواہد محمد امین ولی اللہی کہ تمیز خاص و محرم اختصاص جناب حضرت ایشان بود شغف خود را

اظہار نمود ایساں مسودات را بیرون آوردہ کتاب موسوی پیش رونہادہ تمییز و ترتیب گرفتہ مدتہ
جہد بلغ نمودہ تا حسن انتظام یافت و ثامن عشر شوال یوم الاحد عند اربعۃ انہار ۹۹ھ ۱۱ھ تسع و سبعین
بعد الالف و مائۃ مرتب و مہذب گردید الحمد للہ علی دلک۔

حواشی:

- (۱) القول الجلی ص ۹
- (۲) اتحاف البیہ ما یتاح الیہ الحدیث والفقہ ص ۱۸-۱۹ مطبع لاہور
- (۳) القول الجلی ص ۳۸۲
- (۴) الجزء اللطیف ص ۹۳ مطبع احمدی دہلی
- (۵) اتحاف البیہ ص ۱۸
- (۶) مکتوب شاہ عبدالعزیز بنام ابوسعید رائے بریلوی، الفرقان، لکھنؤ
- (۷) ذخیرہ قیوم منزل بھوپال
- (۸) نادر مکتوبات جلد دوم ص ۶۳
- (۹) ذخیرہ قیوم منزل بھوپال
- (۱۰) مجالس تافہ مع فوائد جامعہ شاہ عبدالعزیز/ مولانا ذاکر عبدالکلیم چشتی ص ۱۸ مقالات طریقت ص ۱۸
- (۱۱) ملفوظات عزیزی ص ۱۲
- (۱۲) مقالات طریقت ص ۱۸
- (۱۳) فتاویٰ عزیزی ص ۸۲ پنجابی دہلی ۱۳۱۱ھ
- (۱۴) مطبوعہ مطبع محمدی ٹونک ۱۲۸۳ھ
- (۱۵) لہ شاد محمدی ص ۱۵ محبوب المطامیر مرثیہ ۱۳۰۸ھ
- (۱۶) فہرست کتب خانہ رام پور ص ۶۹۹ مرتبہ احمد علی خاں شوق
- (۱۷) فتاویٰ عزیزی ص ۱۸۱
- (۱۸) ایضاً
- (۱۹) مطبع ناردوتی دہلی ۱۲۹۳ھ

شاہ محمد

(شاہ ولی اللہ کے بڑے فرزند)

شاہ ولی اللہ کا پہلا عقد ۱۲ سال کی عمر میں شاہ عبید اللہ کی صاحب زادی فاطمہ سے ہوا تھا، ان سے تین اولادیں ہوئیں (۱) صالح (۲) شیخ محمد (۳) لدہ العزیز عرف مسیتی۔ شاہ محمد کی ولادت ۱۱۴۶ھ میں ہوئی تھی ان کی تحصیل علم کی تفصیل نہیں ملتی، ظاہر ہے کہ گھر میں ہوئی ہوگی۔ خود شاہ صاحب اور ان کے مدرسے میں مقیم علما نے تعلیم دی ہوگی شاہ عبدالعزیز کا بیان ہے کہ انھوں نے حصن حصین اور شمائل ترمذی اپنے بھائی شاہ محمد کی قرأت سے اپنے والد سے پڑھی تھی۔ ان دونوں بھائیوں کی عمر میں تیرہ سال کا فرق تھا اس لیے شاید تیرہ کا شاہ عبدالعزیز کو شریک درس کر لیا گیا ہوگا۔ شاہ ولی اللہ کے مرض وصال کے آخر لمحات میں سب اعزہ کی موجودگی میں شاہ محمد پر ”غایت اضطراب“ طاری ہو گیا تھا۔ سب انھیں سمجھا رہے تھے۔ ۳

شاہ محمد شاہ ولی اللہ کے سب سے بڑے صاحب زادے تھے مگر انہیں باقی چار بھائیوں جیسا نام اور مقام نہیں ملا، بلکہ ایک عرصے تک ان کا وجود ہی نامعتبر رہا ہر قلم کی زبان پر ”شاہ ولی اللہ کے چار صاحب زادے“ تھے الحمد للہ اب یہ رنگ نہیں رہا اور عام طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے کہ چار نہیں پانچ۔

لیکن ایسا کیوں تھا؟

شاہ محمد کی ولادت ۱۱۴۶ھ میں ہوئی تھی، جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شاہ ولی اللہ کے وصال کے وقت ۳۰ سال کے ہو گئے تھے اس میں سال میں سے تحصیل علم کا عرصہ (جو حد سے حد

بیس سال ہوگا) نکال دیا جائے تو دس سال انھوں نے کہاں گزارے؟ کیسے گزارے؟ "خاندان کی روایات کے پیش نظر عبد تعلم کے ختم ہوتے ہی عبد تعلیم و تدریس کا آغاز ہو گیا ہوگا اور مدرسہ رحیمہ میں ایک جوان سال معلم کا اضافہ ہو گیا ہوگا۔ ساتھ ہی خاندانی ذوق تالیف و تحریر کے مشغلے میں بھی کسی قدر وقت صرف اوقات ہونے لگا ہوگا، ان کے چچا شاہ اہل اللہ نے تقریباً تیرہ سال کی عمر میں اپنے والد شاہ عبد الرحیم کے مکاتیب کا مجموعہ مرتب کر لیا تھا، خاندان کے نصاب درس میں طب کا فن بھی تھا خدمت خلق اللہ اور رابطہ عوام کا یہ محاذ بھی انھوں نے شاید سنبھالا ہو، لیکن ان میں سے ایک شعبے میں بھی ان کی دل چسپی اور فعالیت کے سراغ نہیں ملتا، پھر والد کے وصال کے وقت بھائیوں میں وہ سب سے بڑے تھے، منہی ذمہ داریوں کے بار اٹھانے کی انھیں سے توقع کی جاسکتی تھی لیکن صورت حال مختلف ہے، شاہ محمد عاشقؒ نے جو شاہ محمد کے حقیقی ماموں تھے انھیں نہیں شاہ عبد العزیز کو "خلف الصدق طاہر اذباط حضرت ایشاں" تحریر کیا ہے والد کے وصال کے بعد دستار بندی بھی شاہ عبد العزیز کی ہوئی، شاہ ولی اللہ کے نیاز مندوں کے جو تعزیت نامے آتے ان کے مخاطب شاہ محمد نہیں شاہ عبد العزیز تھے، جواب میں شاہ عبد العزیز اپنے تینوں چھوٹے بھائیوں کی محلمانہ پیش رفت کا ذکر کرتے ہیں مگر شاہ محمد کی کسی تدریسی اور تلقین و ارشاد کی یا مطلب کی مصروفیت کا نہیں صرف بغیر وعافیت ہونے کا کرتے ہیں۔

اس بے نامی کے اسباب کی تلاش میں اگر کچھ راہ نمائی ملتی ہے تو مولوی نصر اللہ خاں خورجی سے ملتی ہے کہ

”آپ (شاہ محمد) دلی کامل تھے آپ پر جذب غالب تھا“ مقالات^{۱۵} طریقت میں مولوی صاحب کی زبانی دہلی میں ایک مجذوب سے آپ نے فیض حاصل کر کے مجذوب ہو جانے کا قصہ بھی لکھا ہے جس کے نتیجے میں آپ پر جذب غالب اور انتہا تک رہا ہے۔

اس بیان کی صحت تسلیم کر لینے کے بعد یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ شاہ محمد پر جذب کی سی کیفیت ابتداء عمر میں ہی طاری ہو گئی ہو اور وہ تحصیل علوم کی تکمیل نہیں کر سکے ہوں، یا تحصیل سے

فراغت تو کر لی ہو مگر خاندان اور معاشرے میں کوئی مقام پانے سے پہلے مجذب ہو گئے ہوں۔
 شاہ محمد کے نام شاہ ولی اللہ کا ایک مکتوب بھی ہے جسے رسالہ بھی لکھا گیا ہے۔ یہ ایک صفحہ کا مختصر خط ہے جس میں املا و کتابت کے قاعدے بیان کئے ہیں۔^۱

شاہ محمد کچھ دن کے لیے لکھنؤ بھی چلے گئے تھے اور کچھ دن کے لیے نواب افضل خاں برادر نجیب الدولہ کی دعوت پر ان کے یہاں بھی جا کر رہے تھے، نجیب الدولہ کی وفات ۱۷۷۰ء میں ہوئی تھی، اس لیے ظاہر ہے کہ واقعہ اس سال سے پہلے کا ہوگا۔

شاہ محمد کا عقد، شاہ نور اللہ پھلتی کی صاحب زادی صبیحہ سے ہوا تھا، شاہ محمد اولاد سے محروم رہے تھے شاہ محمد کا وصال ۱۲۰۸ھ میں بڑھانے میں ہوا تھا وہیں جامع مسجد سے متصل مزار ہے۔^۵

حواشی:

۱۔ مکتوب شاہ ولی اللہ بنام شیخ محمد عین حوی، نادری مکتوبات جلد سوم ص ۱۲۹

۲۔ مکتوبات دیباغ یعقوبی ص ۱۸۰ کراچی ۱۹۷۷ء (سنہ علیہ شاہ عبدالعزیز بنام شاہ ابوسعید فاروقی مجددی)

۳۔ القول الجلی ص ۲۶۲ دہلی ۱۹۸۹ء

۴۔ ایضاً ص ۲۶۳

۵۔ مقالات طریقت ص ۱۲

۶۔ نادری مکتوبات جلد اول ص ۴۳

۷۔ مقالات طریقت ص ۱۲

۸۔ ذخیرہ قیوم منزل بخوپال و مقالات طریقت ص ۱۳

شاہ عبدالعزیز

پورا نام امام الدین عبدالعزیز۔ تاریخی نام غلام۔ حلیم تھا (۱۱۵۹ھ)

شاہ ولی اللہ کی پہلی شادی شاہ عبید اللہ چلتی کی صاحب زادی اور شاہ محمد عاشق کی بہن امہ الرحیم سے ۱۱۲۸ھ/۱۷۱۶ء میں ہوئی تھی۔ ان کے انتقال (۱۱۴۹ھ) کے بعد دوسری شادی سید ثناء اللہ سونی چلی کی دختر سیدہ ارادت سے ہوئی تھی۔ ان کے بطن کے چار صاحب زادے اور دو صاحبہ زادیاں ہوئیں۔ ان میں سے امام الدین عبدالعزیز تھے جو ۱۱۵۹ھ/۱۷۴۸ء میں پیدا ہوئے۔ اس وقت شاہ ولی اللہ کی عمر ۴۵ سال تھی۔ شاہ عبدالعزیز کا بیان ہے کہ میری عرفیت ”سجھا“ ہے اس لیے کہ میرے والدین کے کئی بیٹے اللہ کو یاد دلا رہے ہو چکے تھے۔ اس لیے سب کو اولاد کی بڑی آرزو تھی چنانچہ میری ولادت کے زمانے کے قریب کئی بزرگ اور اولیا مسجد میں معکف تھے، جب میں پیدا ہوا تو غسل کے بعد مجھے مسجد کے محراب میں ڈال دیا گیا۔ گویا مجھے خدا کی نذر کر دیا گیا پھر ان معکف بزرگوں نے محراب سے اٹھا کر اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے والدین کو بخش دیا۔^۱

”والد ماجد مجھ سے بہت محبت کرتے تھے۔ میرے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے۔“ تعلیم و تربیت والد کی نگرانی میں ہوئی۔ والد نے ان کے لیے علم انصرف^۲ کے قواعد کو منکوم کیا تھا شاہ عبدالعزیز ۱۷ اوں سال میں تھے کہ شاہ ولی اللہ کا وصال ہو گیا (۱۱۴۱ھ) اس لیے تعلیم کی تکمیل شاہ محمد عاشق، خواجہ محمد امین کشمیری، شاہ نور اللہ چلتی سے کی۔ رسم دستار بندی میں تین چار بند مولانا فخر

صاحب نے باندھے تھے جناب مرزا مظہر جان جاناں بھی شریک محفل تھے۔“

”جب شاہ ولی اللہ کا انتقال ہوا اور شاہ عبدالعزیز مندورس وارثاد پر بیٹھے تو مولانا فخر الدین نے سر پر دستار فضیلت باندھی تھی جب پگڑی باندھ چکے تو کان میں کہا، تمہارے والد بزرگوار کے دامن پر ایک دھبہ لگ چکا ہے تمہارا کام یہ ہے کہ اسے صاف کر دو، وجہ سے مقصود شاہ صاحب کا مجتہدانہ مسلک اور تقلید مذہب سے انکار تھا۔“

”شیخ عبدالعزیز خلف الصدق ظاہر اہل بلخان حضرت ایٹاں“

(شاہ محمد عاشق، القول الہی ۴۶۳)

”روزانہ صبح قریب طلوع آفتاب ایک رکوع قرآن شریف سنا کرتے تھے اس کے قاری شاہ اسحاق ہوتے تھے۔ جمعہ اور منگل کو قرآن شریف کا درس بطور وعظ کرتے تھے اس میں ہزاروں آدمی ہوتے تھے۔“

”کسی خاص طریقیے میں غام طور پر بیعت نہ فرماتے تھے۔ اپنے اعزہ خصوصاً شاہ مخصوص اللہ، شاہ اسماعیل، شاہ یعقوب، شاہ اسحاق کو قادریہ سلسلے میں بیعت کیا، امراء و سلاطین کو چشتیہ میں اور دوسروں کو نقشبندیہ میں بیعت کرنے لگے۔“

جو طلبہ و علمائے دین و تہذیب کا حصول اجازت کے لیے آتے تھے، چل قدمی کے وقت ان سے احادیث سنتے تھے۔ کچھ بیان بھی کرتے تھے۔ اس قسم کے شاگرد بے شمار تھے۔“

وفات

آپ بہت قلیل غذا اکثر الامراض تھے۔ وفات سے کچھ پہلے غدا بالکل ترک کی۔ مرض کی شدت تھی۔ وعظ کا وقت آیا تو فرمایا، مجھے پکڑے رہو بیان شروع کر دوں تو چھوڑ دینا ایسا ہی کیا گیا وعظ فرمانے لگے آیت شریفہ ذوی القربی والیتائی والساکین وامن المسلمین کا بیان کیا، اس کے مطابق فقہ اسباب سب تقسیم کر دیا من بعد قریب ایک لاکھ کے فقہ اور دوسرا اسباب بیش قیمت جو رہا تھا اس میں سے چند ہزار روپے زادراہ سفر حجاز و حج شاہ اسحاق و شاہ یعقوب کو عطا کئے چند ہزار

اور مراسم وفات کے لیے، پھر فرمایا میرا کفن اسی کپڑے کا ہو جو میں پہنتا ہوں آپ کا کرتادھو ترکا اور پاجامہ گاڑھے کا ہوتا تھا جنازے کی نماز شہر کے باہر ہو۔ بادشاہ میرے جنازے پر نہ آئے۔ ۷ شوال ایک شنبہ ۱۲۳۹ھ وقت طلوع آفتاب وصال ہوا پہلی نماز جنازہ ترکماں دروازے کے باہر ہوئی امام شاہ اسحاق تھے بعد ازاں نصیر الدین صاحب شافعی کے مقبرے میں نماز جنازہ ہوئی کل ۵۵ بار نماز جنازہ ہوئی تھی۔^{۱۲}

حلیہ

دراز قد، لاغر اندام، گندم رنگ، کلاں چشم صاف جسم تھے۔ گرداگرد چہرے کے لحیہ مبارک خوش نما با اعتدال تھی اکثر چنڈ اس کے تلے انگرکھا اور پاجامہ شرعی، دستار کشمش کلاہ پنہ دار، رومال بینی پاک نیلا اور پاپوش نری اور ہاتھ میں عصا سبز رکھتے تھے۔^{۱۳}

جاگیر

تین موضع آپ کی جاگیر میں تھے ان کی سند شاہ عالم بادشاہ (۱۷۰۹-۱۸۰۶ء) اور دولت راؤ سندھیانے گزرائی تھی۔ حسن پور اور مراد آباد پرگنہ سکندر آباد سے چاروں بھائیوں میں مشترک تھا اور ایک موضع مہلجنہ پرگنہ بذہانہ (مظفر نگر) سے بلا شرکت غیرے آپ کے تصرف میں تھا۔ چنانچہ وہ موضع اپنے دونوں نواسوں مولانا محمد اسحاق اور مولانا محمد یعقوب کو عطا کیا تھا اب تک جاری ہے مولانا نصر اللہ صاحب خورجوی کہتے ہیں کہ میری عمل داری میں مہلجنہ کے سالانہ بارہ سو روپے بے کلدار ہوتے تھے اور اب بھی وہی ہے۔^{۱۴}

شاہ عبدالعزیز کو تحقیق اور ابطال باطل کے ”جرم“ میں اقتدار کے عتاب کا نشانہ بننا پڑا۔ جیہ ضبط کر لی گئی اور خاندان سمیت دہلی بدر کر دیئے گئے۔ ایک گرامی نامے میں تحریر فرماتے ہیں۔ ”اس وقت عجیب عالم ہے کہ بلاد مسلمین پر غلبہ سکھ و مرہٹہ و جاٹ کے باعث اور ان کے اموال مسلمین کو لوٹنے اور مسلمانوں کی بے آبروئی کرنے کی وجہ سے دل و جان نے آسائش و آرام کو فراموش کر دیا ہے چنانچہ فقیر بھی مع قبائل مراد آباد آ گیا ہے۔ دو آجے کی تمام زمین مذکورہ

قوموں کے کھوڑوں کی ٹاپوں سے زیر و زبر ہو گئی ہے الحمد للہ فقیر اور قریہ بھلت کے ساکنین بڑے بھائی شیخ محمد صاحب قصبہ بڈھانہ میں بعزت و آبرو اور جان و مال کی سلامتی کے ساتھ ہیں۔“ ۱۵

نواب غازی الدین خاں کا بیان ہے کہ جب فرزند ان شاہ ولی اللہ کی حویلی ضبط کر لی گئی تو مولانا فخر صاحب نے ان حضرات کو اپنی حویلی میں ٹھیرایا غم خواری کی، حویلی واپس دلوائی اور اعزاز و اکرام کے ساتھ واپس بھیجا۔“ ۱۶

شاہ عبدالعزیز نے اپنی تصنیف تحفہ اثنا عشریہ ۱۷۹۰ء میں مکمل کی اور ۱۷۹۹ء میں یہ نکلنے سے اس طرح شائع ہوئی کہ شاہ صاحب کے اصل نام عبدالعزیز کے بجائے ان کے تاریخی نام ”غلام حلیم“ سے شائع ہوئی والد کا نام بھی شاہ ولی اللہ کے بجائے قطب الدین لکھا گیا غالباً یہی وہ دور ہے یعنی اٹھارویں صدی عیسوی کا آخری عشرہ اور انیسویں صدی عیسوی کا پہلا عشرہ جب شاہ صاحب ابتلا کا بدف تھے اس دور میں مظہر جان جاناں شہید کئے گئے (۱۷۹۰ء) کئی سال کے بعد ۱۸۰۷ء میں شاہ صاحب کی مکانات و املاکہ اگزار ہوئے۔

تصانیف:-

- (۱) تفسیر فتح العزیز، مطبوعہ
- (۲) تحفہ اثنا عشریہ فارسی مطبوعہ
- (۳) سرالشبہاتین عربی، مطبوعہ
- (۴) بستان الحمد شین مطبوعہ
- (۵) عجائبات نافذہ مطبوعہ
- (۶) حاشیہ القول الجلیل مطبوعہ
- (۷) سر الجلیل فی مسئلہ التفصیل، فارسی مطبوعہ
- (۸) وسیلۃ النجات مطبوعہ
- (۹) عزیز الاقتباس فی فضائل اخیار الناس، عربی مطبوعہ
- (۱۰) فیض عام

(۱۱) اصول مذہب حنفی

(۱۲) حاشیہ صدر

(۱۳) حاشیہ میرزا اہد رسالہ

(۱۴) حاشیہ میرزا اہد ملاحلال

(۱۵) حاشیہ میرزا اہد امور عامہ

(۱۶) تحقیق الروایا مطبوعہ

(۱۷) میزان البلاغت، مجتبیٰ دہلی ۱۳۱۳ھ

(۱۸) میزان العقائد

(۱۹) ماہیج حفظہ للنظر مطبوعہ

الاحادیث الموضوعہ

حاشیہ المقدمة السنیہ

النہر اس شرح العقائد للنہی

اعجاز البلاغہ

نظام العقائد

شرح ارجوزۃ الاصمعی

قرآن السعدین والیضاح النیرین در ذکر شہادت حسین

تضمین قصیدہ شاہ ولی اللہ

فتاویٰ عزیز می مطبوعہ

شاہ عبدالعزیز نے تحفہ اثنا عشریہ کی تالیف ۱۲۰۳ھ/ ۱۷۹۰ء مکمل کی اور ۱۲۱۵ھ/ ۱۷۹۹ء

میں وہ کلکتہ سے شائع ہوئی اور اس کے فوراً بعد تحفے میں تحریف کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ شاہ صاحب کے ایک معتقد نے ایک خلاف عقیدہ اہل سنت عبارت تحفے کے ایک نسخے میں دیکھ کر شاہ صاحب کی خدمت میں عریضہ لکھ کر خلش دور کرنے کی درخواست کی تو انھوں نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا:

”و تعریضات در باب معاریہ رضی اللہ عنہ ازین فقیر واقع شدہ اگر در نسخہ از تحفہ اثنا عشریہ یافتہ شود الحاق کئے خواهد بود کہ بنا بر فتہ انگیزی و کید و مکر کہ بناء مذہب ایشان یعنی گروہ رافضیہ از قدیم بر ہمیں امورست ایں کار کردہ باشد چنانچہ بمعنی فقیر رسیدہ کہ الحاق شروع کردہ اند اللہ خیر حافظا و ایں تعریضات در نسخہ معتبرہ البتہ نخواہد شد۔“ اللہ تعالیٰ حافظ ہے اور یہ چوٹیں معتبر نسخوں میں نہیں ہوں گی۔

حضرت معاویہ پر چوٹیں میں نے نہیں کیں اگر تحفہ اثنا عشریہ کے کسی نسخے میں ایسی عبارتیں نظر آتی ہیں تو وہ کسی نے اپنی طرف سے بڑھادی ہیں کیوں کہ روافض کے مذہب کی بنیاد شروع ہی سے فتہ انگیزی، مکر اور فریب پر ہے۔ یہ کام بھی انھوں نے ہی کیا ہوگا۔ چنانچہ میں نے سنا ہے کہ تحفے میں بھی انھوں نے الحاق شروع کر دیا ہے (جس کا ثبوت آپ کا یہ خط بھی ہے) اللہ تعالیٰ حافظ ہے اور یہ چوٹیں معتبر نسخوں میں نہیں ہوں گی۔“

شاہ صاحب کی تفسیر فتح العزیز صرف سواتین سپاروں کی طبع ہوئی ہے اور مشہور یہی ہے کہ اتنی ہی لکھی تھی لیکن ایک روایت یہ ہے کہ

”آپ کے ایک شاگرد مولوی یار محمد نے آپ کے درس قرآن کے کئی دوروں میں اپنے مصحف پر حواشی لکھ دئے تھے۔ وہ ان کے فرزند مولوی محمد اسحاق کے پاس موجود ہے۔ یہ مکمل قرآن شریف کی تفسیر ہے۔“

”ایک روایت یہ ہے کہ حاجی محمد حسین صاحب سہارن پوری سلمہ اللہ تعالیٰ مولوی نور اللہ صاحب سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کی ایک تفسیر فارسی تمام قرآن مجید کی اکبر آباد کے قاضی کا یہاں موجود ہے مگر چھپی نہیں۔“

مولانا حیدر علی فیض آبادی (ف ۱۸۸۱ء) نے سکندر جہاں والیہ بھوپال کی فرمائش پر فتح العزیز کا کلمہ لکھا تھا اس کتاب کا جو مخطوطہ جو مصنف کا لکھا ہوا ہے ادارہ تحقیق عربی و فارسی ٹونک میں ہے۔ اور اق ۶۶۷ سائز ۳۰x۱۷ نمبر ۲۰۲۔^{۱۹}

اخلاف:

شاہ صاحب کا عقد مولوی نور اللہ پھلتی کی دختر صبیحہ سے ہوا تھا، ان سے کئی صاحب

زادے ہوئے مگر وہ نو عمری ہی میں اللہ کو پیارے ہو گئے، تین صاحب زادیاں ہوئیں (۱) عائشہ بی (۲) رحمت بی (۳) سریم بی۔

عائشہ کا عقد مولوی محمد افضل رہنکی سے ہوا تھا ان سے دو صاحب زادے اور ایک صاحب زادی ہوئی (۲) شاہ محمد اسحاق (۲) شاہ محمد یعقوب (۳) مبارک، شاہ محمد اسحاق کے دو صاحب زادے اور تین صاحب زادیاں ہوئیں۔

(۱) محمد سلیمان (۸ سال کی عمر میں وفات پائے) (۲) محمد یوسف (۴ سال کی عمر میں وفات پائے) (۳) لہذا الرحم (۴) لہذا الغفور (۵) خدیجہ۔

سب سے بڑی خدیجہ کا عقد مولوی سید نصیر الدین پیر شاہ رفیع الدین سے ہوا تھا جو غزنی میں ۱۸۴۰ء میں شہید ہوئے ان کے دو صاحب زادے تھے عبد اللہ اور عبد الحکیم، یہ دونوں ہندوستان سے ہجرت کے ارادے سے نکلے تھے مگر عبد اللہ راستے میں سمندر میں غرق ہو گئے، عبد الحکیم مکہ معظمہ پہنچ کر بیٹے کی وبا میں شہید ہوئے۔

شاہ اسحاق کی دوسری صاحب زادی لہذا الغفور کا عقد شاہ مختتم سے ہوا تھا ان کے صرف ایک فرزند تھے مولوی عبدالرحمن۔ یہ مکہ معظمہ میں تھے۔ مولانا عبید اللہ سندھی نے شاہ ولی اللہ کی کتاب المستوی کا مسودہ انہی مولوی عبدالرحمن کے درتے سے حاصل کیا تھا۔

شاہ صاحب کی تیسری صاحب زادی لہذا الغفور کا عقد ابوالکلام القیوم بڑھانوی سے ہوا تھا ان کے ایک دختر اور دو صاحب زادے مولوی حافظ یوسف اور حافظ محمد ابراہیم تھے۔ حافظ محمد یوسف لاہور گئے حافظ ابراہیم کے ایک فرزند حافظ محمد اسماعیل اور دو لڑکیاں تھیں حبیبہ اور ام سلمیٰ۔ حافظ محمد اسماعیل کے ایک فرزند تھے حافظ محمد احمد ان کے فرزند ہیں حافظ مصطفیٰ (قیوم منزل بھوپال) ام سلمیٰ کا عقد مولوی قاضی محمد شعیب (بن قاضی محمد یحییٰ بن قاضی محمد ایوب بھٹائی) سے ہوا تھا ان کے صرف ایک صاحب زادے تھے مولوی محمد زبیر صدیقی۔ حبیبہ کا عقد سید عباس علی سے ہوا تھا ان سے سید جعفر علی (لاہور) اور عارف علی اور نذر۔

حواشی:

۱۔ مولوی سید ظہیر الدین احمد نے یہ نام سید حامد لکھا ہے۔

۲۔ ان مرتبہ والے بچوں میں ایک صاحبزادی تھیں دوسرے سعد الدین القول انجلی ص ۹۸-۱۷۵-۲۰۲

۳۔ ملفوظات عزیزی ص ۱۰۹ (اولاد کی محبت بھی عجیب چیز ہے۔ کیسے کیسے بزرگوں میں کیسی کمزوریاں درآتی ہیں)
۴۔ ملفوظات ص ۱۳

۵۔ یہ منظرہ مطبع لاہور سے ۱۲۹۳ھ میں اور مدرسہ نعت العلوم کو جرنوالہ سے ۱۳۹۷ھ میں طبع ہوا تھا۔

۶۔ مقالات طریقت ص ۲۸

۷۔ ایضاً ص ۲۸

۸۔ مولانا ابو الکلام آزاد، نقشب آ زاد، لاہور ۱۹۵۸ء

۹۔ مقالات طریقت ص ۲۹

۱۰۔ ایضاً

۱۱۔ ایضاً

۱۲۔ ایضاً

۱۳۔ ایضاً ص ۱۳

۱۴۔ ایضاً ص ۲۶

۱۵۔ مکتوب شاہ عبدالعزیز، ماہنامہ الفرقان لکھنؤ ۱۹۶۵ء

۱۶۔ مناقب فخریہ ص ۱۹ مطبع احمدی دہلی

۱۷۔ مقالات طریقت ص ۳

۱۸۔ مقالات طریقت ص ۲۳۰

۱۹۔ خزینہ ملفوظات، مولانا عمران خاں بنوٹک

شاہ رفیع الدین

ولادت ۱۱۶۳ھ/۱۷۷۹ء، وفات ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۸ء پورا نام رفیع الدین عبدالوہاب

والد کی وفات کے وقت ۱۲، ۱۳ سال کے تھے، اور میڈی پڑھتے تھے۔ باقی کتابیں بڑے بھائی شاہ عبدالعزیز اور ماموں شاہ محمد عاشق سے پڑھیں، شاہ عبدالعزیز نے اپنے ایک مکتوب (۱۱۷۹ھ) بنام شاہ ابوسعید رائے بریلوی میں لکھا تھا۔ ”رفیع الدین بفضل الہی تحصیل علوم سے فارغ ہو گئے ہیں اور مجلس علم و فقرا کے سامنے ان کے دستار تہک باندھی گئی اور درس کی اجازت دے دی گئی۔ الحمد للہ بہت سے طلبہ ان سے مستفید ہو رہے ہیں“ کٹے پھر جب شاہ عبدالعزیز نے اشد ادعوارض اور اضمحلال قوی کی بنا پر تدریس ترک کر دی تو ان کے اسباق شاہ رفیع الدین کے سپرد ہوئے اور مدرسے کی صدارت کا بار انھی نے اٹھایا۔ نصف صدی سے زیادہ عرصے تک یہ سرگرم افادہ و تدریس رہ کر ہزاروں فضلا پیدا کئے۔ شاہ رفیع الدین کو اپنے بھائیوں میں امتیاز حاصل تھا کہ انھیں معقولات سے بھی شغف تھا ملفوظات عزیزی میں ان کے ریاضیات میں تبحر کے سلسلے میں کئی ملفوظ ہیں ایک بار فرمایا ”مولوی رفیع الدین کو میرے ہزاروں شاگردوں میں سے خاص مرتبہ حاصل ہے ریاضیات میں تو انھیں موجد کا درجہ حاصل ہے، ایک بار فرمایا فن ریاضی میں مولوی رفیع الدین کی مثال ہندو ولایت میں نہیں ملے گی۔“

شاہ عبدالعزیز کی نظر میں شاہ رفیع الدین کا جو مقام رفیع تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اپنی تفسیر فتح العزیز میں حملۃ العرش من وعن نقل کر دی ہے۔ ایک بار ایک ارادت مند نے عرض کی کہ میں نے خواب میں سورج کو غروب ہوتے دیکھا ہے شاہ عبدالعزیز نے جواب

دیا "آفتاب تو غروب ہو گیا شاہ رفیع الدین چل ہے"۔^۲

شاہ رفیع الدین کو بیعت ارشاد شاہ محمد عاشق سے تھی۔

شاہ صاحب نے مدرس کے ساتھ تصنیف و تالیف کی طرف بھی مناسب توجہ فرمائی اور اُنچہ ایک کتاب کے علاوہ باقی تصانیف رسائل و مختصر کے ذیل میں آتی ہیں لیکن اپنے مواد و مشتملات کی نوعیت، مہارت موضوعات اور بحر انداز بیان کی بنا پر وہ بیش قیمت ہیں، شاہ صاحب کی تصانیف نثر میں بھی ہیں اور نظم میں بھی قاری میں بھی ہیں اور اردو میں بھی۔

اردو

(۱) ترجمہ کلام اللہ، یہ ترجمہ آپ نے ۱۲۰۵ھ میں مکمل فرمایا مگر عبدالرحیم ضیا کا جو ای دودہ والا کے متعین میں سے ہیں بیان ہے کہ^۳

ترجمہ: "تحت اللفظی قرآن بعض کہتے ہیں کہ آپ نے شروع کیا تھا مگر ناتمام رہا، دوسروں نے تمام کر کے آپ کے نام سے شہرت دی۔"

ضیا کے اکثر بیانات منی بر حقیقت پائے گئے ہیں اس لیے ان کے اس انکشاف کو ہم بے اصل اور ناقابل التفات قرار نہیں دے سکتے، خصوصاً اس لیے بھی کہ اس خاندان کے اکثر علما کے ساتھ یہ معاملہ کیا گیا ہے اور ان کی تحریروں میں تحریف و تغیر اور اس سے سوائے کہ ان کی طرف اپنی مصنفہ کتابوں کو نسبت و شہرت دینے میں ایک گروہ کو یہ طوطی حاصل ہے۔ ہم نے ایک مستقل مضمون میں ان کے تحریفات و اضافات کی نشان دہی کی ہے۔

(۳) تفسیر رفسی، سورہ بقرہ کی اردو تفسیر ہے جو شاہ صاحب کے درس قرآن کی تقاریر پر مشتمل ہے۔ یہ تقاریر شاہ صاحب کے ایک مرید سید نجف علی معروف بہ فوج دار خاں نے قلم بند کی تھیں اور بقول خود شاہ صاحب سے اصلاح بھی کروائی تھی، یہ تفسیر فوج دار خاں کے بیٹے سید عبدالرزاق نے ۱۲۷۲ھ میں مطبع نقشبندی سے شائع کی تھی، تفسیر پر عبدالرزاق نے جو پیش لفظ لکھا تھا اس میں نہ صرف تفسیر بلکہ ترجمے کے متعلق بھی صراحت کی تھی کہ یہ دونوں شاہ صاحب کے

نہیں ہیں بلکہ ان کے والد فوج دار خاں نے لکھے ہیں۔^۲

”والد بزرگ دار نے بخد مت۔۔۔۔۔ مولوی رفیع الدین رحمہ اللہ کے عرض کیا تھا کہ میں چاہتا ہوں کہ ترجمہ کلام اللہ تحت لفظی آپ سے پڑھ کر زبان اردو میں لکھوں پھر آپ ملاحظہ فرما کر اصلاح دے کر درست فرما دیا کریں چنانچہ آپ نے قبول فرمایا اور تمام کلام اللہ اسی طرح سے مرتب ہوا اور رواج پایا اس صورت سے تفسیر سورہ بقرہ کے بطور فائدوں کے تمام و کمال مفصل و شرح لکھی تھی اور موسوم بہ تفسیر رفیعی کیا۔“

مندرجہ بالا بیان سے عبد الرحیم ضیا کے اس بیان کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے جو ہم نے ترجمہ قرآن کے سلسلے میں نقل کیا تھا آپ محسوس کریں گے کہ ضیا کے بیان میں وزن ہے۔

فارسی

(۱) رسالہ اذان نماز کی تالیف محرم ۱۲۲۰ھ

(۲) رسالہ فوائد نماز

(۳) رسالہ حملۃ العرش

(۴) شرح رباعیات

(۵) بیعت

(۶) شرح چہل کاف صفر ۱۲۲۰ھ

(۷) شرح برہان العاشقین (رسالہ معما) تالیف ۱۳ جمادی الاخریٰ ۱۲۲۰ھ

(۸) نذر بزرگان

(۹) جوابات سوالات اثنا عشر

مندرجہ بالا ۹ رسائل کا مجموعہ مولوی سید احمد نے مطبع احمدی سے شائع کیا تھا پھر

۱۳۸۱ھ/۱۹۶۳ء میں مولانا عبد الحمید سواتی نے مدرسہ نصرۃ العلوم گجراتوالہ پاکستان سے شائع کیا۔

(۱۰) مجموعہ فتاویٰ شاہ رفیع الدین مطبع مجتبیٰ دہلی سے ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء میں اور مدرسہ

نصرۃ العلوم گجراتوالہ سے ۱۳۸۱/۱۹۶۳ء میں شائع ہوا۔

- (۱۱) آثار قیامت (قیامت نامہ) مطبوعہ
 (۱۲) تنبیہ الغافلین مطبع احمدی بیچرہ، ہوگی، کلکتہ
 (۱۳) رسالہ سمت قبلہ
 (۱۴) رسالہ تعدیلات الخمسة المختصرہ

عربی

- (۱) اسرار الحکیمہ مولوی عبدالحمد سواتی نے تحقیق و تصحیح کے ساتھ مدرسۃ نصرۃ العلوم گجراتوالہ سے ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۵ء میں شائع فرمایا۔
 (۲) تفسیر آیۃ النور، تحقیق و تصحیح مولانا عبدالحمد سواتی ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۳ء
 (۳) تکمیل الاذیان، تالیف ۱۳۳۰ھ تحقیق و تصحیح مولانا سواتی۔ ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۵ء
 (۴) مقدمۃ العلم ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۵ء
 (۵) دمع الباطل، شاہ ولی اللہ کے مکتوب مدنی کے جواب میں حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے ارشاد پر مولانا غلام یحییٰ بہار بی (ف ۱۷۶۷ء) نے رسالہ کلمۃ الحق لکھا تھا، شاہ رفیع الدین نے کلمۃ الحق کے جواب میں دمع الباطل تصنیف فرمایا تھا، یہ ضخیم کتاب مولانا عبدالحمد سواتی کی سعی سے مدرسۃ نصرۃ العلوم سے شائع ہو گئی ہے۔
 (۶) رسالہ فی اثبات شق القمر و ابطال براہین الحکمۃ،
 (۷) رسالہ فی تحقیق الاولوان
 (۸) رسالہ فی الحجاب
 (۹) رسالہ فی برہان التماثل
 (۱۰) حاشیہ بر میرزا ہد رسالہ
 (۱۱) الدرر الدرداری
 (۱۲) رسالہ فی المنطق
 (۱۳) رسالہ فی الامور العامہ

(۱) قصیدہ معینہ در رد قصیدہ شیخ الرئیس

(۲) قصیدہ معراجیہ

(۳) تحمیس بر قصیدہ شاہ ولی اللہ در بیان حقیقت نفس

۱۲۳۳ھ ۱۸۱۸ء میں وصال فرمایا۔ اس سال دہلی میں جو بلاء ہیضہ پھیلی تھی اس سے

شاہ رفیع الدین بھی متاثر ہوئے۔ جب مرض نے شدت اختیار کر لی تو شاہ عبدالعزیز نے تبارک و تعالیٰ کی تلاوت کا حکم دیا۔ جب وفات واقع ہو گئی تو عزیزوں کو تسلی دی اور خدام کو حکم دیا کہ والد ماجد کے پائیں میں نے جو جگہ اپنے لیے مخصوص کی تھی وہاں قبر تیار کرو جب جنازہ باہر آیا تو روتے ہوئے جنازے کو کاندھا دیا اور نماز جنازہ ادا کر کے جنازے کو رخصت کیا اور خود بعد میں (شاید سواری پر) مقبرہ پہنچے۔ قبر تیار ہو رہی تھی۔ جنازے کے قریب والد کی قبر پاس بیٹھ گئے مراقب ہو گئے دفن کے بعد خود بھی مٹی دی اور فاتحہ پڑھ کر رخصت ہوئے۔ شہر آ کر زنانے میں گئے وہاں سے واپس (مردانے) آ کر لوگوں کو وداع کیا اور تلقین مبرکی اور فرمایا ان سے چار رشتے تھے (۱) حقیقی بھائی تھے (۲) والد مرحوم نے فرمایا تھا کہ یہ تیرا بیٹا ہے (۳) میری دایا کا انھوں نے دودھ پیا تھا (۴) شاگرد تھے۔ یہ بھی فرمایا کہ ہم چاروں (حقیقی) بھائیوں کی رحلت میں ترتیب منعکسہ واقع ہوئی۔ سب سے پہلے سب سے چھوٹے بھائی مولوی عبدالغنی گئے ان کے بعد ان سے بڑے مولوی عبدالقادر ان کے بعد ان سے بڑے مولوی رفیع الدین اب میری، جو ان سب سے بڑا تھا باری ہے۔“

فاتحہ سوم میں مجمع کثیر جمع ہو گیا تھا کیا سی بار سے زیادہ کلام اللہ ختم ہوا شاہ دہلی اکبر شاہ

ثانی کی طرف سے شاہ زادہ سلیم و بابر و جوان بخت نے مجلس میں شرکت کی اور نذریں پیش کیں۔ ۵

اخلاف

شاہ صاحب نے تین شادیاں کیں اور ان سے بارہ اولادیں ہوئیں (۱) محمد عیسیٰ

(۲) محمد مصطفیٰ (۳) مخصوص اللہ (۴) محمد حسین (۵) محمد موسیٰ (۶) لمة اللہ (۷) دختر (۸) دختر (۹) دختر (۱۰) محمد حسن (۱۱) نقیہ (۱۲) نقیہ (ذکیہ) ان میں پہلے چھ پہلی بیوی سے اور سات سے نو تک دوسری بیوی اور دس سے بارہ تک تیسری بیوی سے ہیں۔

ان میں سب سے بڑے مولوی عیسیٰ تھے ان کا پہلا عقد شاہ عبدالعزیز کی بیٹی سے ہوا تھا، دوسری بیوی کے بیٹے مولوی عبدالواحد ان کے بیٹے مولوی عبدالرحمن (ولادت ۱۸۳۳ء) ان کے بیٹے عزیز الرحمن (۱۹۰۲ء) ان کے بیٹے نور الرحمن (ولادت ۱۹۲۹ء) اور وسیم الرحمن وفیم الرحمن واکبر الرحمن و بصیر الرحمن و صحیف الرحمن ہوئے۔

مولوی موسیٰ کی ایک بیوی سے ایک بیٹی فاضلہ اور دوسری بیوی سے ایک بیٹے عبدالسلام ہوئے۔

مولوی مصطفیٰ شاعر بھی تھے اور تحفہ خالص کرتے تھے۔ ان کا عقد شاہ عبدالقادر کی بیٹی زینب سے ہوا تھا ان سے صرف ایک بیٹی جلیلہ ہوئیں جن کا عقد شاہ محمد اسماعیل سے ہوا، شاہ محمد اسماعیل کے صرف ایک لڑکے ہوئے شاہ محمد عمر، جن کا انتقال ۱۳۶۸ھ میں ہوا۔

محمد حسن کی اولاد ایک لڑکے احمد حسن اور چند لڑکیاں تھیں۔ احمد حسن کی بیٹی مولوی علاء الدین پھلتی کو بیانی تھیں مولوی علاء الدین کی بیٹی مولوی احمد علی (فرزند مولانا محمد علی مونگیری بانی ندوہ) کو بیانی تھیں۔

امة اللہ کا عقد سید نجم الدین سونی پتی سے ہوا تھا ان کی ایک لڑکی شاکرہ (زوجہ قمر الدین منت) اور دو لڑکے سید ناصر الدین، سید نصر الدین ہوئے، سید نصر الدین، ناصر الدین کے بیٹے معز الدین اور معین الدین ہوئے بیٹی نصیرہ تھیں۔ معز الدین کے بیٹے مولوی سید ظہیر الدین احمد ہوئے۔ سید نصیر الدین کا عقد شاہ محمد اسحاق کی دختر سے ہوا تھا ان سے دو صاحب زادے عبدالحکیم اور عبداللہ ہوئے۔

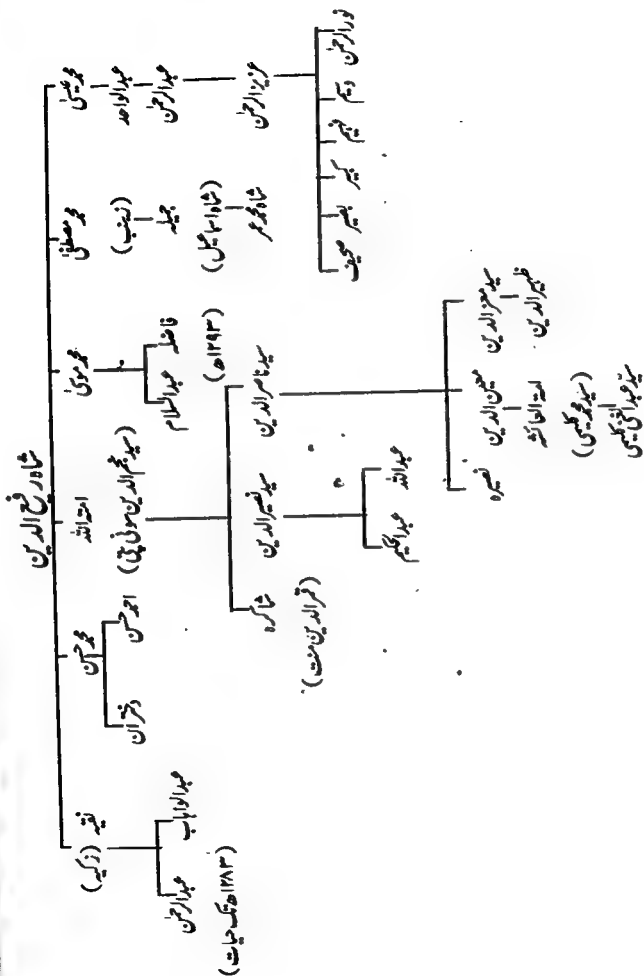
نقیہ کے دو بیٹے ہوئے عبدالوہاب اور عبدالرحمن یہ لوگ ۱۲۸۳ھ تک حیات تھے۔

شاہ رفیع الدین کی طرف اردو رسالہ راہ نجات منسوب کر کے بارہا شائع کیا گیا ہے مگر

شاہ رفیع الدین کا نہیں ہے، یہی رسالہ شاہ عبدالعزیز اور مولوی محمد علی پانی پتی کی طرف منسوب کر کے بھی بارہا شائع کیا گیا ہے، ممکن ہے مولوی محمد علی کا ہو مگر شاہ رفیع الدین کا ہے نہ شاہ عبدالعزیز کا۔

حواشی:

- (۱) القرآن مکتوبہ ۱۹۶۵ء
- (۲) لغو طاعت عزیزی ص ۳۰-۶۲
- (۳) مقالات طریقت ص ۱۸
- (۴) ڈاکٹر مولانا عبداللیم چشتی، بیانات کراچی، رمضان ۱۳۶۲ھ
- (۵) لغو طاعت عزیزی ص ۸۰-۸۳-۸۴



شاہ عبدالقادر

ولادت ۱۱۶۷ھ/۱۷۵۳ء

پورا نام معین الدین عبدالقادر

والد کی وفات (۱۱۳۱ھ) کے وقت صرف نو سال کے تھے اور صرف میر پڑھتے تھے، تحصیل علوم شاہ محمد عاشق، اور دوسرے علمائے کی۔ بیعت ارشاد شاہ عبدالعدل دہلوی سے کی۔

”تمام عمر اکبر آبادی مسجد کے ایک حجرے میں بسر کر دی“ (سر سید) ۱

مسجد کے ایک حجرے میں رہتے اور ہفتے میں ایک روز (چہار شنبے کو) شاہ عبدالعزیز اور دوسرے اعزہ سے ملنے مکان آیا کرتے تھے۔

۱۲۰۵ھ میں قرآن مجید کا اردو ترجمہ مکمل کیا اس کا تاریخی نام ”موضح قرآن“ ہے۔ یہ ترجمہ پہلی بار عبداللہ بن بہادر علی ۱۲۳۵ھ کے مطبع احمدی ہوگلی (بنگلہ) سے شائع ہوا تھا۔ پھر مولوی سید شاہ جہاں داماد میاں نذیر حسین دہلوی نے ۱۳۰۷ھ میں اس میں اضافات کر کے شائع کیا چنانچہ مولوی سید ظہیر الدین ولی اللہی نے اس خاندان کی جن جلی کتابوں کی نشان دہی کی ہے ان میں تحفۃ الموحدین اور ابلاغ المسکین اور تفسیر مولانا شاہ عبدالقادر معروف بہ موضح القرآن بھی ہے۔

سید عبدالحی نے شاہ صاحب کے ایک اردو رسالے تقریر الصلوٰۃ کا نام بھی لیا ہے۔ ۲

شاہ صاحب سے بکثرت علما نے استفادہ کیا، مولانا فضل حق خیر آبادی، مولانا

صدر الدین آزرده شاہ اسماعیل شہید، شاہ محمد اسحاق، شاہ محمد یعقوب دہلوی جیسے اکابر فضلاء عصر آپ کے شاگرد تھے۔

آپ کی جسمانی یادگار صرف ایک صاحب زادی زہنب تھیں جن کا عقد آپ نے اپنے بھتیجے مولوی مصطفیٰ فرزند شاہ رفیع الدین سے کیا تھا، ان سے ایک بیٹی ہوئیں جیلہ جن کا عقد شاہ محمد اسماعیل سے ہوا، ان سے صرف ایک فرزند شاہ محمد عمر پیدا ہوئے تھے جن کا انتقال ۱۲۶۸ھ میں ہوا۔ مولانا آزاد لکھتے ہیں:

” (حواشی موضح القرآن میں) ضعیف قصوں اور اسرائیلی روایتوں سے انھوں نے احتراز نہیں کیا مثلاً ہاروت و ماروت کی کہانی اور طالوت کا اس طرح منتخب ہونا کہ ایک لکڑی کے گز کے پیمانے سے ٹھیک اترے حال آں کہ قرآن کہتا ہے ”بطہ فی العلم والجسم“ وغیرہ ذلک، ان کے بعض حواشی نے منکرین اسلام کے اعتراض کو قوی موقع دیا مثلاً ”الم نشرح میں وَوَضَعْنَا عَنكَ وَزْرَكَ“ (آیت ۶) ترجمہ کرنا کہ گناہوں کا بوجھ دور کر دیا، پادری فنڈر نے آں حضرت کی عصمت کے خلاف اس سے تشبہ کیا تھا۔

حواشی:

(۱) آثار المعنادید ص ۲۶۹

(۲) ثقافت الاسلامیہ فی الہند، طبع بیروت ص ۱۱۸

(۳) مکاتیب ابوالکلام، ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہاں پوری ص ۱۹۷

شاہ عبدالغنی دہلوی

پورا نام رضی الدین عبدالغنی ولادت ۱۱۷۱ھ۔ شاہ ولی اللہ کے وصال کے وقت پانچ سال کے تھے، تعلیم کے متعلق صرف اتنا معلوم ہے کہ قرآن حفظ کر لیا تھا اور فارسی کا نصاب شروع ہونے والا تھا یہ تحقیق نہیں ہے فراغت بھی حاصل کی تھی یا نہیں؟

شاہ عبدالغنی کا عقد مولوی علاء الدین پھلتی کی دختر بی بی فضیلت سے ہوا تھا جن کا سفر حج کے دوران ۱۸۲۲ء میں انتقال ہوا، تین بچے ہوئے (۱) شاہ محمد اسماعیل ولادت ۱۹۳ھ (۲) رقیہ (۳) ام کلثوم، شاہ عبدالغنی کا انتقال ایک روایت کے مطابق ۱۲۰۳ھ میں ہوا تھا۔

”آپ بڑے صاحب کشف و کرامت، عارف کامل، زاہد پرہیزگار تھے۔“^۲

مشہور ”افسانہ نویس“ محمد جعفر تھانیسری نے لکھا ہے کہ شاہ عبدالغنی سید احمد شہید سے بیعت ہوئے تھے۔ حال آنکہ سید احمد صاحب شاہ عبدالغنی کی وفات کے وقت صرف ڈھائی ماہ کے تھے۔ تھانیسری نے شاہ عبدالعزیز کو بھی سید صاحب سے بیعت کا آرزو مند بتایا ہے موصوف کا یہ بھی بیان ہے کہ وہ بزرگ آخر میں مجنون ہو گئے تھے۔“

شاہ اسماعیل کا عقد شاہ عبدالقادر کی نواسی جیلہ سے ہوا تھا جن سے صرف ایک صاحب زادے شاہ محمد عمر پیدا ہوئے تھے۔ بی بی رقیہ کا عقد شیخ کمال الدین بن محمد معشوق بن

علاء الدین پھلتی سے ہوا تھا شیخ کمال الدین کی وفات کے بعد ان کا نکاح شاہ اسماعیل نے
 نکاح بیوگان کی تحریک کے دوران مولوی عبداللہی بڑھانوی سے کر دیا تھا۔ ۴
 شاہ عبدالغنی کی چند صاحبزادیاں ۱۳۱۱ھ میں بقیہ حیات تھیں۔ ۵

حواشی:

(۱) مکتوب شاہ عبدالعزیز ماہنامہ الفرقان لکھنؤ ۱۹۶۵ء

(۲) مقالات طریقت ص ۲۳

(۳) سوانح احمدی ص ۲۹۵، طبع کراچی

(۴) مخزن احمدی از سید احمد علی رائے بریلوی ص ۳۵

(۵) مقدمہ فتاویٰ عزیزی از مرزا محمد بیگ دہلوی ص ۱۲

شاہ ولی اللہ کے اخلاف و احفاد

شاہ محمد اسحق دہلوی

شاہ محمد اسحق دہلوی، شاہ عبدالعزیز کے بڑے نواسے، خلیفہ اور جانشین تھے۔ خان وادہ ولی اللہی کے آخری عظیم و جلیل رکن، انیسویں صدی عیسوی کے بیشتر خدام حدیث نبوی کے شیخ تھے۔ شاہ ولی اللہ نے برسوں پہلے اپنے احفاد کے دائرہ فیض کی وسعت کی جو پیش گوئی کی تھی، اس کے مصداق شاہ اسحق ہی تھے۔ ہم شاہ محدث کی حیات اور ان کے علوم پر ایک مبسوط کتاب تالیف کر چکے ہیں اس لیے یہاں ان کی حیات کا ایک خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔

والد کا نام شیخ محمد افضل، ولادت ۱۷۸۲ء، تعلیم شاہ عبدالعزیز اور شاہ عبدالقادر سے حاصل کی۔ حجاز میں شیخ عمر بن عبدالکریم کی سے بھی سند حدیث لی۔ تربیت باطن بھی نانا اور شاہ عبدالقادر سے حاصل کی اور شاہ عبدالعزیز سے سلسلہ قادریہ میں بیعت کی۔ تعلیم سے فراغت ۱۸۰۸ء میں حاصل کی اور معاً بعد مدرسہ رحیمیہ میں تدریس کی مسند پر رونق افروز ہوئے اور مسلسل ۴۰ سال درس دیتے رہے۔ ۱۸۴۳ء میں نانا کی وفات کے بعد ان کے جانشین ہوئے۔

۱۸۲۳ء میں فریضہ حج ادا کرنے کے لیے تشریف لے گئے اور دو سال بعد ۱۸۲۶ء میں واپس ہوئے۔ اس سفر میں حج و زیارت کے علاوہ وقت کے محدث شیخ عمر بن

عبدالکریم سے سند حدیث بھی حاصل کی۔ مراجعت کے بعد ۱۶ سال درس و ارشاد و افتاء میں مصروف رہے اور ۱۸۴۲ء میں دہلی سے مکہ معظمہ ہجرت فرما گئے۔ وہاں بھی اطاعت و ریاضت کے علاوہ درس و ارشاد کا شغل جاری رہا۔ جوار حرم میں چار سال اور چند ماہ قیام کے بعد ۱۸۴۵ء میں وصال فرمایا اور اُم المؤمنین سیدنا خدیجہؓ کے مزار مبارک کے جوار میں مدفون ہوئے۔

شاہ صاحب نے مشکوٰۃ شریف کا اردو ترجمہ کیا جس کا ایک مطبوعہ نسخہ پروفیسر ایوب قادری کے ذخیرے میں تھا۔ شاہ صاحب کا ایک مختصر رسالہ شعب الایمان خاکسار نے حیات شاہ اسحاق میں شائع کر دیا ہے۔

شاہ صاحب کے دو صاحب زادے ہوئے محمد سلیمان جو ۸ سال کی عمر میں وفات پا گئے دوسرے محمد یوسف جو چار سال کی عمر میں گذر گئے۔ تین لڑکیاں امۃ الرحیم، امۃ الغفور، خدیجہ۔ خاکسار نے شاہ صاحب کی مفصل سوانح حیات شاہ محمد اسحاق شائع کر دی ہے۔

حواشی:

۱۔ مقالات طریقت ص: ۲۳ مقدمہ قادیانوی عزیزی مرزا محمد بیگ ص: ۱۲

شاہ محمد یعقوب دہلوی

شاہ عبدالعزیز کے نواسے اور شاہ محمد اسحاق کے چھوٹے بھائی، صرف چھوٹے بھائی ہی نہیں، ہم خیال و ہم مسلک تھے، زندگی بھر رفیق و شریک حال رہے۔

اسم گرامی محمد یعقوب اور عرف چھوٹے میاں تھا۔ ولادت ۲۸ رذی الحجہ ۱۲۰۰ھ / ۱۷۸۶ء، تحصیل علوم زیادہ تر شاہ رفیع الدین سے کی، منیا کا بیان ہے کہ تین سنی شرح ملا کے حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہ سے پڑھے ہیں۔ اکثر علوم شاہ رفیع الدین سے حاصل کئے، تفسیر جلالین شاہ عبدالعزیز سے ان کی چہل قدمی کے دوران پڑھی، سند شاہ عبدالعزیز نے عطا فرمائی۔ فراغت کے بعد اپنے بزرگوں کے مدرسے میں درس دینے لگے۔ ۱۲۳۰ھ / ۱۸۲۳ء میں اپنے بڑے بھائی کے ساتھ فریضہ حج ادا کیا واپسی پر درس کا سلسلہ جاری رہا۔ ۱۲۵۸ھ / ۱۸۴۲ء میں یہ پورا گھرانہ ہند کے دارالحرب سے مکہ معظمہ ہجرت کر گیا، وہاں بھی درس و ارشاد کا سلسلہ جاری رہا۔ ۲۳ برس جوار بیت اللہ میں قیام کے بعد ۲۸ رذی قعدہ ۱۲۸۲ھ / ۱۸۶۷ء کو وصال فرمایا۔

آپ سے علوم دینیہ اور فیض باطن حاصل کرنے والوں میں سے نواب صدیق حسن خاں، مولانا مظفر حسین کاندھلوی، مولوی عبدالعزیز جعفری، ملا عبدالقیوم بڑھانوی، حاجی امداد اللہ مہاجرکی، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا محمد زماں (شہید ۱۲۹۲ھ)، شیخ محمد محدث تھانوی، خواجہ احمد بن یاسین نصیر آبادی، مولوی محمد سعید عظیم آبادی جیسے رجال اعلم و عمل

ہیں اور حاجی منیر خاں رئیس خانپور، سکندر شاہ، عبدالرحیم مگینہ ساز، نعت خاں (خادم خاص) وغیرہ جیسے بکثرت اشخاصؒ بھی آپؐ سے متبع ہوئے۔ ان حضرات میں سے مولانا قاسم سنگا بیان ہے کہ مولانا محمد یعقوب صاحب قلب کے اندر جو نہایت باریک چور ہوتے ہیں ان سے خوب واقف تھے۔

مولف سوانح احمدی نے آپ کو سید احمد شہید کا مستفید و مرید اور ان کا خلیفہ بتایا ہے یہ اگرچہ عقلاً مستبعد نہیں ہے مگر مولف موصوف نے شاہ عبدالعزیز کے گھرانے کے بارے میں اس قدر غلط بیانیوں کی ہیں کہ اس کی کسی بات کا بغیر سند کے اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ خود شاہ محمد یعقوب نے ہمیشہ اپنے فخر و روزگار ناناعی کے دامن تربیت سے وابستگی کو اپنے لیے باعث فخر و لائق ذکر سمجھا۔ چنانچہ ان کے ایک مسز شد شیخ محمد محدث تھانوی تحریر فرماتے ہیں:

”اور ۱۲۶۳ھ میں فقیر کو بعد شرف بیعت و محبت اپنے بمقام مکہ معظمہ شرفا

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا مولوی محمد یعقوب مہاجر کی نواسہ اور خلیفہ حضرت مولانا

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہ نے اجازت تمام اذکار و اعمال و اشغال

جملہ طریقوں کی جو ان کو حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز قدس سرہ سے پہنچے تھے مع

خرقہ کریم شریف اپنے کے مع سند مہری علم حدیث اور علم تفسیر و فقہ و اصول حدیث

اور تصوف..... بطافرمائی۔“

شاہ محمد یعقوب کو اگرچہ شاہ محمد اسماعیل کے طرز فکر اور مسلک سے اتفاق نہیں تھا مگر

ان بزرگوں کے اختلافات حدود میں ہوتے تھے۔ چنانچہ ادھر فریقین میں معاشرتی روابط

خوش گوار تھے ادھر خاص تحریک جہاد بالکفرہ میں شاہ محمد یعقوب اور ان کے برادر کرم نے ممکن

اعانت کی، امیر شاہ خاں کا بیان ہے کہ شاہ اسماعیل نے حج کو روانہ ہونے سے قبل خاص

خاص علماء کی ایک مجلس طلب کی تھی جس میں شاہ محمد یعقوب بھی شامل تھے، ان حضرات سے

شاہ اسماعیل نے تقویت الایمان کے اعزاز بیان کے سلسلے میں مشورہ کیا تھا۔

مجاہدین کی ہجرت کے بعد ہندوستان میں اعانت مجاہدین کا کام انہی دونوں بھائیوں نے سنبھالا تھا، پورے ملک سے جو قافلے آئے وہ انہی بھائیوں سے مل کر اور ہدایت لے کر آگے بڑھتے۔ سرحد سے جو ہدایات آتی تھیں وہ انہیں بھائیوں کی وساطت سے آتیں۔ زراعت کی فراہمی اور اسے مجاہدین تک پہنچانے کی ذمہ داری بھی انہی کی تھی، چنانچہ اس سلسلے میں سید صاحب کے متعدد خطوط ان حضرات کے نام ہیں، خطوط جن حالات میں لکھے جاتے تھے اور قاصد جن راستوں سے گزرتے تھے ان کی وجہ سے کتاب اور مکتوب الیہ کے اسماء صراحتہ نہیں لکھے جاتے تھے اور عموماً القاب اس قسم کے ہوتے تھے۔

شیخین جلیلین للدرایۃ عینین وللرویتہ اذنین وللسماحمہ یدین
وللشہادۃ عضدین وللعبادۃ قدمین وللہدایتہ علمین اکبرہما فلاریب فی انہ
شجرۃ غائرۃ الاصول والاعراق ناضرۃ الغصون والاوراق واما اصغرہما
فلاشک انہ ثمرۃ طعمہا مرغوب وریحہا محبوب

یا

الیٰ کریم الاخلاق طیب الاعراق فاتح الاغلاق والیٰ اخیہ
محبوب ذی الخلق المرغوب

یا

ناصران بکلمۃ اللہ ناصحان لدین اللہ اما اکبرہما فلاشک انہ
نقی الاعراق صفی الاخلاق وصی الآفاق واصغرہما فلاریب انہ ذوالخلق
المرغوب مطہر ادناس العیوب

مولوی سید نصیر الدین مجاہد کے ایک خط سے تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شاہ محمد یعقوب کا سندھ کی طرف ہجرت کا ارادہ تھا، مولوی سید نصیر الدین لکھتے ہیں: ^۱
”برائے مہاجر ت بھائی یعقوب ملک سندھ بسیار خوب است۔“

مجاہدین و مہاجرین ہند میں ایک گروہ مولوی سید محبوب علی کی قیادت میں سید صاحب سے بغاوت کر کے جب سرحد سے لوٹ آیا تھا اور دہلی میں تحریک جہاد کے خلاف جدوجہد میں مصروف تھا تو تحریک جہاد بہت متاثر ہو گئی تھی کیونکہ ادھر مجاہدین کے قاتلوں میں رکاوٹ پیدا ہو گئی تھی، ادھر مادی اعانت بند ہو گئی تھی، اس فتنہ کو رفع کرنے اور دوبارہ یہ سلسلہ شروع کرنے کا سہرا انہی دونوں بھائیوں کے سر ہے۔

افسوس ہے کہ ان دونوں بھائیوں کو نظر انداز کر دینے، فراموش کر دینے اور ان کی خدمات کو بھلا دینے کی منظم و متحدہ سعی کی گئی ہے، اس لیے ان حضرات کی سوانح کے صرف چند گوشے بمشکل اور اوراق تاریخ میں محفوظ رہ گئے ہیں۔ خسرال، اولاد، تصانیف، مہتر شہیدین و مستفیدین غرض پوری زندگی کو ادھم ل کر دیا گیا ہے ورنہ ان دونوں بھائیوں کا کام جہاد سے ظاہر ہے کہ شاہ ولی اللہ نے جو پیش گوئی کی تھی کہ اگرچہ میرے فرزند بھی مبارک ہیں اور ان میں نیکی ظہور پذیر ہوگی۔

مگر تدبیر غیب کا تقاضا یہ معلوم ہوتا ہے کہ دو اور ہستیاں پیدا ہوں گی جو مدتوں تک اور دینے میں علوم دینی کی ترویج کریں گی اور وہیں رہیں گی اور یہ دونوں ہستیاں اپنی ماں کے رشتے سے مجھ سے متعلق ہوں گی۔
تو نواب صدیق حسن خاں کے بقول اس کے صداق شاہ اعلیٰ و شاہ یعقوب ہو سکتے ہیں۔

سر سید احمد خاں نے اپنے دور کے جن خاصانِ دہلی کے ذکرِ جمیل سے آثارِ اصدادید کے اوراق کو زینت دی تھی، ان میں شاہ محمد یعقوب بھی تھے، لکھتے ہیں:

علم و فضل میں بھی کم پایہ نہیں رکھتے تھے الا خلقِ جمیل و صفاتِ جزیل اور قناعت و استغنا میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جب کوئی بطور ہدیہ پیش کش کچھ لایا کچھ قبول نہ کیا جو سرمایہ اپنے پاس رکھتے ہیں اس میں

بر اوقات کرتے ہیں خواہ بے تنگی اور خواہ بہ وسعت اور حسب استعداد اپنے مال کی زکوٰۃ نکالتے رہتے ہیں۔ اس کم استعدادی میں تو فیق ایسے امور خیر کی ایسے ہی مردان خدا کا کام ہے، آپ نے ہمراہ اپنے برادر مرحوم کے ہندوستان سے ہجرت کی اور مکہ معظمہ میں توطن اختیار کیا جب تک شاہ جہاں آباد میں رہے گوشہ عزلت میں پابداً من رہتے تھے اور ابتداء روزگار کی طرف کبھی رجوع نہ رکھتے تھے اور یہی حال ہے اس بلاد میں کہ کچھ وجہ قلیل میں جو کسی کسب حلال سے بہم پہنچتا ہے اپنی اوقات گزر کرتے ہیں اور اوقات شبانہ روزی کو عبادت خالق زمین و آسمان میں بسر کرتے ہیں۔ حق جل و علی ایسے زبدۂ اہالی روزگار کو تادیر بسلامت رکھے کہ اپنے خاندان عالی شان کے یادگار ہیں۔ آمین یا رب العالمین۔“

سر سید نے جو ”کسی کسب حلال“ کا ذکر کیا ہے اس کی وضاحت مقالات طریقت کے اس بیان سے ہوتی ہے کہ

”کہتے ہیں کہ مکان میں فرصت کے وقت ریشم کھولا کرتے تھے۔“

شاہ عبدالعزیز کے ایک ملفوظ سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ محمد یعقوب روزانہ ایک پارہ دوبار پڑھا کرتے تھے۔ اس طرح ایک ماہ میں دوبار بیک وقت قرآن مجید ختم کرتے تھے۔

”میاں یعقوب فرزند من۔۔۔ در ہر شب یک پارہ در مدرسہ خواندہ باز در خانہ مع جماعت ہوں پارہ می خواند تا کہ معاد و قرآن شریف پس و پیش یک دور و ختم می کنند“

یعنی ”میرے بیٹے میاں یعقوب روزانہ رات کو ایک سی پارہ باہر مدرسے میں پڑھتے ہیں اور پھر گھر میں جماعت کے ساتھ وہی پارہ پڑھتے ہیں اس طرح دو قرآن مجید ایک دور روز کے آگے پیچھے ایک ماہ میں ختم کرتے ہیں۔“

نکات کہتے کہ استعداد ظاہر کا یہ حال تھا کہ کبھی کوئی آیت کے معانی بیان کرتے تو وہ مضامین عالی بیان فرماتے کہ سامعین حیران و ششدر رہ جاتے۔ پہروں وہی بیان چلا جاتا

قوت باطن کا یہ حال کہ ادھر سبق حدیث شریف وغیرہ کا بھی ہو رہا ہے، ادھر توجہ بھی جاری ہے۔ یہ اس کو مانع وہ اس کو مزاحمت نہیں۔ امانت داری ایسی کہ یعقوب امین مشہور تھے۔ سکندر شاہ دہلوی کہتے ہیں کہ ”ایک شخص آپ کے پاس دو سو قرص مسی امانت لایا اور کہا یہ رکھیے، آپ نے فرمایا الماری میں رکھ دو، اس نے نام نشان اپنا کر دیا، آپ نے نام لکھ کر دھر دیا، ایک مدت کے بعد آ کر اس نے طلب کیا آپ دیدیئے (آپ نے دیدیا) کہا کہ کھول کر بتائیے۔ فرمایا کہ تم نے بھی کھول نہیں بتلایا تھا، جس طرح رکھا تھا اسی طرح رکھا ہوا ہے، وہ تکرار کرنے لگا اور کہا کہ یہ تو قرص ہیں میں تو ریال رکھا تھا (رکھے تھے)۔ آپ نے فرمایا جو آپ نے رکھا تھا وہی ہے، خیال نہ رہا ہوگا۔ خوب یاد کیجئے پر اس نے (وہ) اسی طرح تکرار کرنے لگا، آپ نے اس کو ایسا ہی آہستگی اور نرمی سے تین بار سمجھایا جب دیکھا وہ نہیں مانتا تو مکان سے جا کر دو سو ریال لا کر دیا (دیئے) اور فرمایا کہ یہ بھی لے جاؤ خیر مجھ کو سہو ہوا ہوگا، مگر کسی وجہ سے جیسے نہیں نہ ہوئے۔“

حضرت کی عائلی زندگی کی تفصیل دست یاب نہیں ہوئیں، صرف یہ معلوم ہوا ہے کہ وصال کے وقت آپ کی دختر، داماد مرزا امیر بیگ اور نو اسے مولوی خلیل الرحمن صاحب ٹا موجود تھے۔ امیر الروایات میں حاجی امداد اللہ مہاجر کی کے بیان کروہ ایک واقعہ میں ”مولوی محمد یعقوب کے داماد مرزا امیر بیگ“ کا ذکر آیا ہے، اس پر مولانا اشرف علی تھانوی نے حاشیہ ۱۱ میں لکھا ہے کہ میں نے بھی والد مرحوم کے ہمراہ مکہ معظمہ میں ان کی زیارت کی تھی۔

مقالات طریقت ۱۸۷۴ء میں تالیف کی گئی تھی۔ اس وقت تک مولوی خلیل الرحمن بقید حیات تھے، اس پورے سوسال میں اس نسل سے کون کون اٹھا؟ ان آنے والوں کو رحیمی، ولی اللہی اور عزیزی دل و دماغ اور سیرت و کردار سے کتنا حصہ ارزانی ہوا؟ رحیمی مسند درس کسی نہ کسی شکل میں اب بھی آباد ہے یا نہیں؟ تلقین و ارشاد کے خاستر میں کوئی چنگاری اب بھی باقی ہے یا نہیں؟ کاش کسی ذریعے سے یہ معلوم ہو سکے!

مولف مقالات طریقت نے حاجی حافظ کریم بخش سے روایت کی ہے کہ شاہ یعقوب نے حضرت شاہ عبدالعزیز کا یہ قول نقل فرمایا تھا کہ ہماری اولاد مکہ معظمہ میں جا بے گی اور حضرت امام مہدی سے ملے گی۔ اس پر مولف لکھتے ہیں سبحان اللہ حضرت کی آل مولانا مولوی عبدالرحمن صاحب نواسہ شاہ حضرت اسحاق کے اور جناب مولوی خلیل الرحمن صاحب سلمہا تعالیٰ نواسے مولانا یعقوب صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ کے اب حاضر ہیں، دوسری بات (لقاء امام مہدی) پر بھی خدائے جل و علی قادر ہے۔“

شاہ صاحب کے وصال کی تفصیل یوں بیان کی گئی ہے:

سکندر شاہ صاحب کہتے ہیں کہ میں حضرت کی تجبیز و تکفین میں حاضر تھا، یہاں تک کہ اپنے ہاتھوں سے میں اور امیر بیگ صاحب اور عبدالرحیم گنیمہ ساز اور نعمت خاں حضرت کے خادم خاص نے قبر میں اتارا ہے، جمعہ کے دن بھی نماز صبح آپ نے تیمم سے ادا کی اور اشراق و چاشت بھی پڑھی، دوپہر ڈھلے جب حرم محترم میں اذان ہوئی اسی وقت روح پر فتوح جانب ملا، علی پرواز کی۔ عصر کی نماز کے بعد جنت المعلیٰ میں حسب وصیت آپ کی بی بی کی قبر میں قریب مزار پر انوار مولانا اسحق صاحب قدس سرہ کو دفن کیا گیا، جنازے کی نماز کی ایسی کثرت ہوئی کہ تمام حرم کی دوکانیں بند ہو گئیں کھڑے رہنے کو بدشواری جائے (جگہ) ملتی تھی، حرم شریف سے جنت المعلیٰ تک اتنی خلقت تھی کہ قدم اٹھانا مشکل تھا، جنازے کو ہاتھ نہیں پہنچتا تھا، ہزار ہا عرب بو سے لے رہے تھے جس قدر امانتیں کہ تھیں سب لکھوادیں اور فرمایا کہ میں ریال نقرئی میرے نیکی کے تلے ہیں، اس سے تجبیز و تکفین ہووے کچھ دھوم دھام اور تکلف ضرور نہیں، اس طرح عمل ہوا، حافظ سورتی مہتمم مساجد بھوپال نے آپ کی تاریخ وصال اس آیت کریمہ سے نکالی ہے: **الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا هم یحزنون**۔

خلیل الرحمن کے بیٹے زکریا اور ان کے بیٹے یحییٰ تھے، یحییٰ بھوپال پھلت بدھانہ کنی

سال رہے پھر ۱۹۳۸ء میں مکہ معظمہ چلے گئے، ۱۹۶۱ء تک حیات اور محلہ شاہیہ مکاں ۳۷۳ میں رہتے تھے۔

حواشی

(۱) مقالات طریقت ص ۴۳ و مقدمہ فتاویٰ عزیزی مرزا محمد بیگ ص ۱۲

(۲) مقالات طریقت ص ۲۳۳، امیر الروایات ص ۱۵۰ و بعد ۱۳۶، اور ارشاد محمدی از محدث تھانوی ص ۳

(۳) مقالات ۱۳۳۶، امیر الروایات (۳) امیر الروایات ص ۱۵۱ (۳) ارشاد محمدی ص ۳ مطبع محبوب مطالع میرٹھ

۱۳۰۸ھ (۲۵ ایف ۷۷) ۱۲ھ

(۵) جماعت مجاہدین ص ۵۴

(۶) جماعت مجاہدین ص ۱۵۱

(۷) مقالات طریقت ص ۲۳۳۔ (۸) ملفوظات شاہ عبدالعزیز ص ۷ مطبوعہ میرٹھ

(۹) مقالات طریقت ۲۳۳، توفیق کی زبان و محاورہ دیکھی ہے (۱۰) مقالات طریقت ص ۲۳۰۔

(۱۱) امیر الروایات ص ۲۳۳

(۱۲) مقالات طریقت ۵۴ (۱۳) مقالات طریقت ۲۳۶

شاہ مخصوص اللہ

فرزند شاہ رفیع الدین، مدرسہ رحیمیہ کے عالی مرتبت مدرس، شاہ عبدالغنی فاروقی مجددی کے استاذ گرامی۔

تعلیم و تربیت والد ماجد اور دونوں چچاؤں سے حاصل کی بیعت شاہ عزیز سے سلسلہ قادریہ میں کی۔

عہد تعلم ختم کر کے اپنے آبائی دارالعلوم میں تفسیر وحدیث کے درس کا منصب اختیار کیا اور طویل عرصہ تک اس فرض کو بحسن و خوبی انجام دیتے رہے۔ شامحمد اسحاق کی ہجرت حرم کے بعد مدرسہ کے ساتھ مدرسہ کے اہتمام کا بار بھی اپنے بھائی شاہ محمد موسیٰ کے ساتھ اٹھایا۔ ۱۷۹۰ء سے شاہ عزیز کی وفات تک مسلسل ۲۵ سال ان کے درس قرآن کی مجالس میں تلاوت قرآن مجید کرتے رہے۔

مولانا ”بڑے صاحب کمال، علم ظاہر و باطن میں بے مثال تھے۔“ (ص ۱۸ مقالات طریقت) آپ کے اوقات ایسے مجموع تھے کہ شاید سلف صالحین کے زمرہ میں اولیاء کرام کے اوقات ہوں گے۔“ (ص ۳۳۸ حیات ولی طبع اول)

”ایک مدت دراز تک تعلیم و تدریس میں مصروف رہے..... آخر میں گوشہ نشین ہو گئے اور اولیاء کرام کی سی زندگی بسر کرنے لگے اور بجز عبادت الہی اور تقویٰ کچھ کام نہ رہا۔“ (ص ۵۸۹ واقعات دارالحکومت دہلی) از بس کہ طبیعت عبادت دوست اور مزاج

دہات پرست واقع ہوا ہے، ایک عرصہ ہوا کہ سررشتہ مدریس کو ہاتھ سے دے کر گوشہ نشین ہیں۔“ (ص ۴۷ تذکرہ اہل دہلی طبع کراچی)

منشی محمد جعفر تھانیسری نے سوانح احمدی میں شاہ مخصوص اللہ کو سید احمد شہید کے مریدین میں محسوب کیا ہے، یہ افترا محض ہے، اس لیے کہ اس قول میں کوئی مورخ اس کا ہم نوا نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس مورخین نے انھیں اپنے عم عالی مقام شاہ عبدالعزیز کا مرید بتایا ہے جن کے سید احمد شہید بھی مرید تھے۔ پھر اس نے تو ان کے چچا شاہ عبدالغنی فرزند شاہ ولی اللہ کو بھی سید صاحب کا مرید لکھ دیا ہے جو سید صاحب کی ولادت کے دو دو ہائی سال بعد وفات پا گئے گویا شاہ عبدالغنی سے رائے بریلی جا کر گہوارے میں سید صاحب سے بیعت ملکی تھی، اور یہی نہیں اس نے شاہ عبدالعزیز کو بھی سید صاحب سے بیعت ہونے کا متنی اور آرزو مند بتایا ہے۔ تا بدیگراں چہ رسد!

اس افراد پر مستزاد یہ کہ موصوف نے سید صاحب کے حادثہ شہادت کے ایک سال بعد اس عالم آب و گل میں پہلا سانس لیا تھا اور حادثہ کے ۶۴ سال بعد سوانح احمدی تالیف فرمائی تھی۔

شاہ مخصوص اللہ، سید صاحب کے مرید ہونے کے بجائے ان کی جماعت کے اساطین شاہ محمد اسماعیل لور مولوی عبدالحی بڑھانوی کے وہابیانہ رجحانات کے شدید مخالف تھے، انھوں نے تقویت الایمان کے جواب میں معید الایمان لکھی تھی، وہ جامع دہلی کے تاریخی مناظرہ کے نہ صرف شریک بلکہ مدجوش فریق تھے۔ اس مناظرہ کے آغاز ہی میں جب مولوی عبدالحی نے دریافت کیا کہ ”تم لوگ یہاں کیوں آئے ہو؟“

تو شاہ مخصوص اللہ نے جواب دیا تھا:

”ہم بموجب حکم خدا کے آئے ہیں کہ حق ظاہر ہو جائے۔“ پھر جب مناظرہ

کے ۱۳ ویں سوال (بدعت) پر گفتگو شروع ہوئی کہ بدعت حسنه بھی ہو سکتی ہے یا نہیں؟ تو مولوی عبدالحی نے کہا تھا ”اصل ہر بدعت کی بد ہوتی ہے۔“

اس پر مولانا مخصوص اللہ نے پوچھا کہ جس بدعت کی وجہ حسن و قبح ظاہر نہ ہو وہ کیا ہے۔ اس کے جواب میں مولوی عبدالحی نے کہا سید۔ شاہ مخصوص اللہ نے کہا: اس تقدیر پر بدعت اور مباح میں فرق کیا ہے؟“ اس سوال پر مولوی عبدالحی ساکت ہو گئے۔

منشی تھانیسری نے غالباً شاہ مخصوص اللہ کی قلمی و عملی سرگرمیوں کی توجیہ کے لیے تحریر فرمایا ہے کہ یہ ”بزرگ آخر میں مجنون ہو گئے تھے۔“ مطلب یہ ہے کہ مرید ہونے کے باوصف ان کی تحریک کے خلاف یہ سرگرمیاں اور یہ جوش و جذبہ بر بنائے جنون و اختلال حواس تھا، گویا جو کام صحت دماغ کا ثبوت اور ثبات عقل و ہوش کا نشان ہے وہی منشی تھانیسری کی نظر میں جنون ٹھہرا اور ہمیں حسرت کا مصرع یاد دلا گیا

خرو کا نام جنوں پڑ گیا، جنوں کا خرد

شاہ مخصوص اللہ کا وصال ۱۳ رزی الحجۃ ۱۲۷۱ھ (۵-۱۸۵۶ء) کو ہوا۔ اپنے آبائی

مقبرے مہندیوں میں دفن کئے گئے۔

شاہ مخصوص اللہ جیسے بزرگوں کے سوانح حیات کے بیش تر گوشے ظلمت میں ہیں، کہاں عقد ہوا تھا، جسمانی یا دگاریں کتنی چھوڑیں؟ کوئی تفصیل بھی معلوم نہ ہو سکی۔ بس مولوی بشیر الدین نے مہندیوں میں مدفونین کی فہرست میں شاہ مخصوص اللہ اور ان کی اہلیہ کو بھی شمار کیا ہے۔

حواشی

۱۔ ص ۲۹۵ سوانح احمدی، طبع کراچی

۲۔ ایضاً ص ۱۵۵، ص ۲۹۵

۳۔ ایضاً ص ۱۲۱،

۴۔ تہافت الوبائیہ از مفتی عبدالحفیظ آگرہ ص ۲، سیف الجبار از مولانا فضل رسول بدایونی ص ۴۸

۵۔ سیف الجبار، ص ۵۴

۶۔ سوانح احمدی، ص ۲۹۵

۷۔ الیالہ النجفی، (محمد بن یحییٰ الحسن التبرہتی) ص ۶۰ طبع دہلی و مقدمہ فتاویٰ عزیزی، ص ۱۲

شاہ محمد موسیٰ دہلوی

شاہ رفیع الدین کے فرزند گرامی شاہ محمد موسیٰ ولی اللہی خاندان کے متاخرین میں ایک نمایاں شخصیت تھے۔

آپ کا سن ولادت تو نظر سے نہیں گزرا لیکن امیر الروایات لکھیں یہ روایت درج ہے کہ آپ عمر میں شاہ محمد اسماعیل سے بڑے تھے اس لیے آپ ۱۱۹۳ھ/ ۱۷۷۹ء سے قبل پیدا ہوئے ہوں گے جو شاہ محمد اسماعیل کا سن ولادت ہے۔

علوم ظاہر و باطن کی تعلیم و تربیت اپنے والد ماجد اور عمین مکرین سے حاصل کی اور اپنے اسلاف کی شہرہ آفاق درس گاہ میں تدریس کی خدمت انجام دینے لگے، شاہ عبدالعزیز کے وصال (۱۸۲۳ء) کے بعد مدرسہ رحمیہ کا نظم ان کے نواسے اور جانشین شاہ محمد اٹحق نے سنبھال لیا تھا، ان کی ہجرت جاز (۱۲۵۸ھ) کے بعد شاہ محمد موسیٰ پر تدریس کے ساتھ نظم کا بار بھی آپڑا جسے یہ حتی الوسع نبھاتے رہے، تا آن کہ تقریباً ستر سال کی عمر میں ۱۲۷۹ھ جب ۱۸۲۳ء) کو اس جہاں سے اُس جہاں جا بے اور مدرسہ رحمیہ کی تقریباً ڈیڑھ سو سالہ تاریخ کا آخری ورق لوٹ دیا گیا۔

شاہ محمد موسیٰ کے وصال کے بعد ان کے صغیر الحسن صاحب زادے میاں عبدالسلام اور ایک صاحب زادی ان کی یادگار رہ گئے تھے، میاں عبدالسلام کسی بزرگ اور سرپرست کے

نہ ہونے کی بنا پر حصول علم کی دولت سے محروم رہ گئے اور یوں ایک مرکز علم و حکمت سے علم و حکمت کا سلسلہ منقطع ہو گیا، بلکہ نہ جانے کن اسباب کی بنا پر نسل ہی تقریباً منقطع ہو گئی اور ۱۹۱۹ء میں مولوی بشیر الدین احمد دہلوی نے ”واقعات دارالحکومت“ تالیف کی تو ”اس خاندان میں سوائے ایک خاتون عفت مآب کے کوئی نام لیوا اور پانی دیوانہ رہا“ تھا۔

شاہ محمد موسیٰ اور ان کی صاحبزادی اپنے مقبرہ اسلاف مہندیوں میں محو خواب ہیں۔ وہابیت کے رد میں دور سالے آپ کی یادگار ہیں مگر دونوں غیر مطبوعہ ہیں (۱) حجتہ العمل فی ابطال الجہل، فارسی زبان میں۔ یہ رسالہ ۱۶۰ اوراق (۱۲۰ صفحات) پر مشتمل ہے اور اختتام تالیف کی تاریخ ۱۷ ربیع الاول ۱۲۳۲ھ (۱۸۲۶ء) ہے۔ پروفیسر محمد ایوب قادری فرماتے ہیں کہ یہ رسالہ ان کی نظر سے گزرا ہے مولانا فیض احمد بدایونی نے اپنے رسالہ فیض عام میں اس رسالے کے تقریباً تین صفحات نقل کئے ہیں۔ مولانا بدایونی کا بیان ہے کہ شاہ محمد موسیٰ نے ایک رسالہ ”در تحقیق استعانت“ بھی لکھا تھا۔

ملفوظات شاہ عبد العزیز میں دو مختلف مواقع پر شاہ محمد موسیٰ کے سوال اور شاہ عزیز کے جواب درج ہیں، ان میں سے پہلا سوال یہ ہے کہ جد بے روح پانی پر تیرتا رہتا ہے اور زندہ جسم تہ آب بیٹھ جاتا ہے، حال آں کہ روح ایک لطیف ترشے ہے، یہ کیوں؟ شاہ عزیز کے متوقع جواب سے قطع نظر، شاہ موسیٰ کا یہ سوال کرنا بڑا ہی افسوس ناک اور ندامت انگیز ہے، کیوں کہ یہ سوال ہمارے علماء کی علوم طبعیہ سے ناواقفی اور بے تعلقی کا پردہ در ہے۔ جدید نصاب ہزار نقائص کے باوصف اس باب میں اس قسم کے نقائص سے پاک ہے اور ایک میٹرک کا طالب علم بھی اس سوال کے صحیح اور شافی جواب سے واقف ہوتا ہے۔

دوسرے سوال کا جواب خاندان رحیمی کے تبرکات کے سلسلے میں ہمارے علم میں اضافہ کرتا ہے۔ شاہ موسیٰ نے دریافت کیا تھا کہ حضرت رسالت پناہ ﷺ کے عہد میں کون سا خط رائج تھا؟ شاہ عزیز نے جواب دیا کہ خط عقیلی رائج تھا پھر حضرت علیؑ نے خط کوفی ایجاد

کیا۔ چنانچہ میرے پاس حضرت علیؑ کے ہاتھ کی جتنی تحریریں ہیں اور حضرت امام حسنؑ کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن مجید جو مسجد (?) میں ہے، خط کوئی میں ہے۔

شاہ صاحب کے اس ارشاد میں مسجد سے مراد اگر مدرسہ رحیمیہ کی مسجد نہیں بلکہ جامع مسجد یا کوئی اور مسجد ہو تو بھی حضرت علیؑ کی تو کئی تحریروں کو شاہ صاحب نے خود اپنی ملک فرمایا ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ تحریریں اور دوسرے نواد اور تبرکات اب کہاں ہیں؟ ظاہر ہے کہ یہ سب چیزیں شاہ محمد اہل حق کو منتقل ہوئی ہوں گی جو شاہ اہل حق نے اپنی ہجرت حرم کے وقت اگر یہیں چھوڑ دی تھیں، تو کس کے پاس؟ اور اس سے پھر کس کے پاس منتقل ہوتی رہیں؟ اور اگر ساتھ لے گئے تھے (اور یہی قرین قیاس ہے) تو اب یہ سب چیزیں کہاں ہیں؟ کسی ایک شخص کے پاس محفوظ ہیں؟ یا کسی دور میں تقسیم ہو گئیں؟ اگر ایک جا متفرق طور پر محفوظ ہیں تو اہل اور قدر شناس اور مرتبہ داں حضرات کی ملک میں ہیں؟ یا ہماری بد قسمتی سے معاملہ اس کے برعکس ہے؟ شاہ اہل حق کے نواسوں عبداللہ اور عبدالکیم (فرزند ان مولوی نصیر الدین دہلوی) اور عبدالرحمن (فرزند شاہ مختتم اللہ) اور شاہ محمد یعقوب کے داماد مرزا امیر بیگ اور نواسے مولوی خلیل الرحمن کا قرن ماضی کے اواخر تک پتہ چلتا ہے، ان حضرات کے اخلاف اب بھی حجاز میں ہوں گے، یہ تو ممکن ہے کہ ان میں سے کوئی بھی اب علم و فضل سے بہرہ یاب نہ ہو، مگر یہ کیا ضرور ہے کہ یہ سب لوگ دنیاوی و مادی حیثیت سے بھی بے حیثیت اور گم نام ہوں، دہلوی محدثین کے ارادت مندوں میں سے جو حضرات حج و عمرہ کی توفیق پاتے ہیں وہ اگر اپنے دوران قیام حرمین شریفین میں ان حضرات کی بھی تلاش کر سکیں اور ان نواد اور تبرکات کے متعلق بھی معلومات کر سکیں تو صرف خاندان رحیمی کی بلکہ علم دین کی بھی اہم خدمت ہوگی۔

شاہ عبدالعزیز اور ان کے بھائیوں کے اخلاف و علائقہ میں فکر و نظر کے اختلاف اور مذہب و مسلک کے تعدد نے دو گروہ پیدا کر دیئے تھے۔ ایک گروہ جس کے سربراہ شاہ محمد اسماعیل شہید تھے شخص معین کی تقلید کے وجوب کا منکر اور کسی حد تک محمد بن عبد الوہاب نجدی کا

ہم نواتھا اور دوسرا گروہ شاہ عبدالعزیز کے مسلک کا متبع خفیت پر مطمئن و مصر "حکم
بالکفر والشک" کے باب میں محتاط تھا۔ مختصر یہ کہ جادۂ اعتدال سے منحرف نہیں ہوا تھا، شاہ محمد
موسیٰ اسی دوسرے گروہ کے حامی و ناصر تھے، علامہ فضل حق خیر آبادی نے جو حزب عزیزی
کے گویا قائد و نقیب تھے، شاہ محمد اسماعیل کے تشددانہ افکار و نظریات کے رد میں سبقت کی اور
تحقیق الفتویٰ فی رد اہل الطغویٰ کے نام سے ایک مفصل رسالہ میں دلائل عقلی و نقلی
کے ساتھ شاہ شہید کا رد کیا تو اس کے آخر میں جن ولی اللہی اور عزیزی علماء فضلاء کے دست خط
تھے، ان میں شاہ محمد موسیٰ بھی تھے، پھر یہ اختلاف ان دونوں گروہوں کو شاہ جہاں کی مسجد
جامع میں منعقد ایک مجلس مناظرہ میں لے گیا تو اس میں بھی شاہ موسیٰ مرگرم نظر آتے
ہیں۔ ۲۹ ربیع الثانی ۱۲۳۰ھ (۱۸۲۳ء) کو مسجد جامع میں جو مجلس مناظرہ برپا ہوئی تھی مولانا
فصل رسول بدایونی نے اس کی مفصل روداد کو قلم بند کر کے اوراق تاریخ میں محفوظ کر دیا ہے،
اس مناظرہ میں شاہ موسیٰ اور مولوی عبدالحی بذحانوی کے درمیان یوں مکالمہ ہوا تھا:

”مولوی موسیٰ نے کہا کہ تم ہمارے استادوں کو برا کہتے ہو۔ بولے (مولوی
عبدالحی) کہ ”میں نہیں کہتا“ مولوی موسیٰ نے کہا کہ یہ ”ایسے نئے مسئلے بناتے ہیں
کہ ان سے برائی استادوں کی ثابت ہوتی ہے۔“ پوچھا کہ وہ کیا ہے؟ کہا کہ مثلاً
قبر کے بوسے کو شرک کہتے ہو اور ہمارے اکابر اس کے مباشر ہوتے تھے۔ مولوی
عبدالحی نے انکار کیا، کسی نے کہا کہ لکھ دو تا کہ تمہارے اوپر جھوٹ باندھنے والوں
کی تکذیب ہو جائے، مولوی عبدالحی نے کانپتے ہاتھوں سے لکھ دیا ”بوسہ دہندہ
قبر مشرک نیست۔“

حواشی

- ۱۔ امیر الروایات (حکایات اولیاء) طبع کراچی ص ۸۶
- ۲۔ واقعات دارالحکومت دہلی ص ۵۹۰ حصہ دوم، آگرہ ۱۹۱۹ء
- ۳۔ ترجمہ تذکرہ علماء ہند ص ۵۹۲
- ۴۔ رسالہ فیض عام ص ۱۳۳
- ۵۔ ایضاً
- ۶۔ مخطوطات عزیزی ص ۲۵
- ۷۔ مخطوطات عزیزی ص ۱۰۰
- ۸۔ سیف الجبار ص ۵۴

ملا عبد القیوم بڈھانوی

ملا عبد القیوم، مولوی عبدالحی (داماد شاہ عبدالعزیز) کے فرزند تھے۔ ولادت ۱۲۳۱ھ/ ۱۸۱۵ء صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں مولوی نصیر الدین شافعی نے، جلالین، ابن ماجہ، نسائی اور علم القرآن شاہ محمد یعقوب سے پڑھیں اکثر صحاح ستہ مولوی سید محبوب علی سے کچھ ہدایہ مفتی محمد مراد سے، باقی فقہ، بخاری شریف، کچھ بیضاوی، معالم التنزیل، مدارک، درمنثور، صحاح ستہ بقول جمیل، حزب البحر، حصین، مستدرک حاکم، دارقطنی، داری وغیرہ سب کچھ شاہ محمد اسحاق سے پڑھا، ۱۲۳۲ھ/ ۱۸۲۷ء میں جب مولوی عبدالحی کا وصال ہو گیا تو سید صاحب نے ان کو ہند بھیج دیا تاکہ والدہ کا غم غلط ہو۔

مولوی عبد القیوم، سید صاحب کے ایک مرید شیخ محمد عظیم سے بیعت تھے ان ہی کے ساتھ کچھ دن کے لیے نوٹک بھی گئے تھے پھر جب شاہ محمد اسحاق ہجرت کر کے مکہ معظمہ جانے لگے تو یہ بھی ان کے ساتھ مکہ معظمہ چلے گئے وہاں سے سکندر جہاں والیہ بھوپال نے انہیں بھوپال بلا لیا اور مفتی بنادیا، جاگیر بھی پیش کی، ملائے ۱۲۹۹ھ/ ۱۸۸۲ء میں وصال فرمایا۔

ملا عبد القیوم کے ایک شاگرد اور خالہ زاد بھائی قاضی محمد ایوب (۱) پھلتی قاضی بھوپال، میرے جد بزرگ مولانا حکیم سید برکات احمد کے شیخ حدیث تھے اس طرح میرا

سلسلہ حدیث بھی ملا عبد القیوم سے ملتا ہے، قاضی محمد ایوب کو ملا عبد القیوم نے ہی مہلت سے بھوپال بلا کر اپنا جانشین بنایا تھا۔

حکیم نور الدین نے جو پہلے صحیح العقیدہ پھر محمدی (غیر مقلد) پھر احمدی (قادیانی) ہوا، صحیح بخاری اور ہدایہ ملا عبد القیوم سے پڑھی تھی۔ حکیم نور الدین کا بیان ہے کہ بھوپال سے رخصت ہوتے وقت میں نے مولوی صاحب سے درخواست کی کہ مجھے فصاحت فرمائیں جس پر عمل کر کے میں بہت خوش رہوں، مولوی صاحب نے فرمایا خدا نہ بنا اور رسول نہ بنا، استفسار پر مولوی صاحب نے فرمایا خدا تم کس کو کہتے ہو؟ عرض کی خدا کی ایک صفت فعال لما یرید بھی ہے مولوی صاحب نے فرمایا بس یہی ہمارا مطلب ہے یعنی تمہاری خواہش پوری نہ ہو تو نفس سے کہو تم کوئی خدا ہو، رسول کو اللہ کی طرف سے حکم آتا ہے وہ یقین کرتا ہے کہ اس کی نافرمانی سے لوگ جہنم میں جائیں گے اس لیے اس کو بہت رنج ہوتا ہے تمہارے خوے کو اگر کوئی نہ مانے تو یقینی جہنمی تھوڑا سی ہو سکتا ہے لہذا تم کو اس کا رنج نہیں ہونا چاہیے۔

ملا عبد القیوم کا عقد شاہ محمد اسحاق کی بڑی دختر لمتہ الرحیم سے ہوا تھا ان سے دو صاحب زادے محمد یوسف اور حافظ مولوی محمد ابراہیم تھے، عبد الرحیمؒ ضیا کا بیان ہے کہ دونوں متقی، پرہیزگار، ذی علم و وقار اپنے خاندان کے یادگار ہیں، مولوی ذوالفقار احمد نے الروضۃ المسطورہ میں لکھا ہے کہ مولوی محمد یوسف محل اپنے والد ماجد مرحوم کے درس حدیث میں مشغول رہتے ہیں، نہایت صالح و متدین ہیں۔

مولوی محمد یوسف کے ایک صاحب زادے محمد سلیمان تھے ان سے ایک صاحب زادی لمتہ الرحیم (اے آرخاتون) ہیں جن کے صاحب زادے اقبال اور فصیح الدین اور صاحب زادیاں زینب اور زہرہ ہیں۔

مولوی محمد ابراہیم کے صاحب زادے حافظ محمد اسماعیل تھے اور دو لڑکیاں ام حبیبہ (زوجہ سید عباس علی) جن کے لڑکے جعفر علی (مدیر مشرق لاہور) اور عارف علی، عبدالحی

اور عذرا ہیں، دوسری لڑکی ام سلمیٰ (زوجہ مفتی محمد شعیب مفتی بھوپال ۱۹۶۲ء)، ان کے لڑکے مولوی محمد زبیر صدیقی (۱۹۷۸ء) تھے۔

حافظ محمد اسماعیل کے ایک صاحب زادے پروفیسر حافظ محمد احمد (ف ۱۹۷۸ء) تھے ان کے صاحب زادے احمد مصطفیٰ صدیقی ہیں، احمد مصطفیٰ صاحب نے میری کتاب توجہ سے پڑھ کر اغلاط و تسامحات پر توجہ دلائی اور معلومات میں اضافہ کیا، موصوف کے پاس چند تحریریں ہیں۔

(۱) ملا عبد القیوم نے خاندان ولی اللہی کے حالات قلم بند کر دیئے تھے
(۲) شجرہ مرتبہ قاضی مفتی محمد یحییٰ (ف ۱۹۳۱ء) بن قاضی مفتی محمد ایوب (۱۸۹۷ء) قاضی بھوپال۔

(۳) شجرہ مرتبہ حکیم رفیع الدین
احمد مصطفیٰ صاحب نے اپنے خاندانی کتب خانے کے چند نوادر کی ایک فہرست بھی بھیجی ہے:

(۱) رسالہ اصطلاحات اصول فقہ از شاہ اسماعیل شہید - صفحات ۴۲ کاتب ملا عبد القیوم

(۲) رسالہ فوائد متعلقہ علم حدیث تقریر از مولوی نصیر الدین اسفہانا

کاتب ملا عبد القیوم صفحات ۳۸ شعبان ۱۲۵۴ھ

(۳) رسالہ دربارہ ترکہ (میراث) کاتب ملا عبد القیوم صفحات ۲۱

(۴) احادیث نادرہ مسند الحنوف و مسند الخضر از شاہ ولی اللہ۔

صفحات ۳۶ کاتب ملا عبد القیوم ۲۳ ربیع الثانی ۱۲۵۴ھ

(۵) الدر الثمین از شاہ ولی اللہ کاتب ملا عبد القیوم ۲۰ ربیع الثانی ۱۲۵۳ھ

(۶) الفضل المبین از شاہ ولی اللہ کاتب ملا عبد القیوم ۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۲۵۵ھ

ملا عبد القیوم کی ایک تالیف (ملفوظات حضرت علی) کا اردو میں ترجمہ کر کے قاضی مفتی عبد العلی صاحب پھلتی نے ۱۹۹۲ء میں شائع فرمادیا تھا۔
 ٹونک کے ادارہ تحقیق عربی و فارسی کے کتب خانے میں جامع صغیر کا اردو ترجمہ ہے (ACC-NO 284) جسے ملا عبد القیوم نے والی ٹونک کو بانیہ طبع بھیجا تھا۔
 تلخیص الہدایہ از شاہ اہل اللہ کا ایک مخطوطہ مولوی عبد الرشید بن مولوی محمد یسین کے پاس تھا جو ملا عبد القیوم کا مکتوبہ تھا اس کتاب کے دوسرے مخطوطات کتب خانہ حبیب الرحمن صاحب شیروانی اور کتب خانہ آصفیہ اور کتب خانہ مولانا عبدالعزیز میمن میں بھی ہیں۔ (معارف اعظم گڑھ جلد نمبر ۶۱ شمارہ ۲)

حواشی

۱۔ قاضی محمد ایوب (۱۸۲۵ء-۱۸۹۷ء) بن حکیم قمر الدین (۱۸۳۱ء باا کوٹ)

۲۔ مقالات طریقت ص ۲۳۳

۳۔ الرحیم حیدر آباد سندھ جون ۱۹۶۷ء

شاہ محمد اسماعیل

شاہ عبدالغنی بن شاہ ولی اللہ کے صاحب زادے

ولادت ۱۲ رجب الاول ۱۱۹۳ھ / ۲ مارچ ۱۷۷۹ء، محلّت، وفات والد ۱۶ رجب

۱۲۰۳ھ / ۱۲ مارچ ۱۷۸۹ء، دہلی۔

فراغت درس (۱۶/۱۵ سال کی عمر میں) ۹-۱۲۰۸ھ / ۶-۱۷۹۳ء۔

بیعت از سید احمد شہید ۱۲۳۲ھ / ۱۸۱۷ء

تالیف تقویت الایمان ۱۲۳۲ھ / ۱۸۱۷ء

تالیف صراط المستقیم ۱۲۳۳ھ / ۱۸۱۸ء

آغاز سرج از کلکتہ رجب الاول ۱۲۳۸ھ / ۱۸۲۲ء

مراجعت کلکتہ صفر ۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۳ء

سفر بھرت جمادی الثانیہ ۱۲۴۱ھ / ۱۸۲۶ء جنوری

پہلا سفر کہ (اکوڑہ) ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۲۴۲ھ / ۱۸۲۷ء

شہادت (بالاکوٹ) ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۱ء مئی

تصانیف: رسالہ تقویت الایمان (اردو)، صراط المستقیم (باب دو) (فارسی)، منصب امامت

(فارسی)، رسالہ اصول فقہ (عربی)، رسالہ یک روزی (فارسی)، ایضاح الحق الصریح فی احکام

الیت والصریح۔ تنویر العینین سنی مسند رفیع الیدین، مثنوی سلک نور، رسالہ بے نمازاں۔

(۱) تنویر العینین کے حلقہ میں حاضرین شاہ اسماعیل کا بیان ہے کہ ان کی شہادت کے بعد لوگوں نے ان کے نام

سے یہ سال لکھ کر شہرت دی ہے، حجۃ الاسلامین ۸۷

شاہ محمد عمر

شاہ اسماعیل شہید کی اولاد میں صرف ایک فرزند شاہ محمد عمر کا نام ملتا ہے۔
مولوی سید عبداللہ کی کا بیان ہے کہ قناعت و عفاف و توکل و استغنا اور تجمل الی اللہ کی
صفات سے بہرہ مند تھے۔ دنیا اور ارباب دنیا کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے تھے۔ ایک بار بہادر
شاہ ظفر نے شوقی ملاقات ظاہر کیا اور قلعہ معلیٰ کو رونق بخشنے کی دعوت دی مگر آپ نے معذرت
کر دی۔

مولانا رحمت اللہ کیرانوی مہاجر کی کی زبانی ایک ایسا ہی ایمان افروز واقعہ نقل ہوا ہے
کہ شاہ محمد عمر بن شاہ اسماعیل شہید ایک بار ہمارے ساتھ جارہے تھے کہ بادشاہ کی سواری کے ڈنکے
کی آواز آئی، یک لخت ان کی رنگت زرد ہو گئی، پیشاب کرنے بیٹھ گئے۔ بادشاہ کی سواری آئی اور
گزر گئی۔ بعد وہ اٹھے تو چہرہ خوش تھا۔ دریافت کیا کہ حضرت آپ اس قدر کیوں گھبرا گئے تھے اور
اب کیوں مطمئن ہیں؟ کہا ”میں نے بادشاہ کی سواری سامنے سے آتی ہوئی محسوس کر کے اس بات کا
خوف کیا کہ کہیں میرے ایمان کو نہ لے جائے۔“

انہی مولانا کیرانوی کی یہ روایت بھی ہے کہ نواب وزیر الدولہ والی ٹونک انہی محمد
عمر صاحب کے معتقد تھے۔ ایک مرتبہ ان کی ملاقات کے لیے آئے۔ محمد عمر صاحب نے سنا کہ وزیر
الدولہ آیا ہے تو دیوار کو دنگ پھوٹنے کی طرف سے مکان چھوڑ کر چل دیئے کہ امیروں کی ملاقات
سے دل سیاہ ہو جاتا ہے اور قلب پر غفلت طاری ہو جاتی ہے۔

شاہ محمد عمر کی وفات ۲ جمادی الثانیہ ۱۲۶۸ھ میں ہوئی مومن خاں نے حسب ذیل قہر
تاریخ وفات موزوں کیا۔

محمد عمر کا ہوا انتقال بزرگ ایسے ہوتے ہیں پیدا کہاں
مجھے سال تاریخ کا تھا خیال کد سب نے کہا مرگ شیخ زماں

۱۲۶۸ھ

۱۔ نزہۃ الخواطر الجزء السابع ص ۳۳۶

۲۔ مرقاة المفاتیح از اکبر شاہ خاں نجیب آبادی ص ۱۹۳

۳۔ ایضاً ص ۱۹۳

مولوی سید ظہیر الدین احمد ولی اللہی

خاندان رحیمی کے متاخرین میں سے مولوی سید ظہیر الدین کو متعدد خدمات کی بنا پر ایک اہم اور قابل ذکر مقام حاصل ہے۔ انھوں نے سب سے زیادہ قابل تحسین اور لائق قدر کام تو یہ کیا کہ مدرسہ رحیمیہ کی تجدید کی اور دوسری اہم خدمت یہ انجام دی کہ خاندان کے ادبیات کی اشاعت کے لیے ایک مکتبہ اور طباعت کے لیے ایک مطبع جاری کیا۔ تیسری نتیجہ خیز کوشش یہ کہ ان حضرات کے خلاف ایک مہم چلائی جو شاہ ولی اللہ اور ان کے جانشینوں کی طرف ان کتابوں کو منسوب کر رہے تھے جو درحقیقت ان کی نہیں تھیں۔

ایک طرف مولوی صاحب کی یہ خدمات مگر ان کی گم نامی کا یہ حال کہ کسی تاریخ کسی تذکرے میں آپ کو مولوی صاحب کا نام نہیں ملے گا۔ ۱۸۹۳ء میں مطبع مجبائی سے فتاویٰ عزیزی طبع ہوئی تھی اس پر مرزا محمد بیگ دہلوی نے مقدمہ لکھا ہے جس میں خاندان کے سب ارکان کا ذکر ہے چنانچہ مولوی صاحب کے والد سید معز الدین کا بھی ذکر ہے اور لکھا ہے کہ ان کے علاوہ اب شاہ رفیع الدین کے اخلاف میں سے کوئی نہیں پایا جاتا، حال آں کہ یہ ٹھیک وہی دور ہے جب مولوی صاحب مدرسہ رحیمیہ کی تجدید کر چکے تھے اور خود ۲۳ سال کے تھے اور اپنے خاندان کی کتابیں شائع کر چکے تھے، اسی طرح مولوی رحیم بخش دہلوی نے سنہ ۱۹۰۰ء میں حیات عزیزی اور حیات ولی شائع کیں مگر مولوی صاحب کا نام بھی لینے سے احتراز کیا اس سے بھی زیادہ حیرت ناک بات یہ ہے کہ مولوی سید عبدالحی سنہ ۱۸۹۳ء میں دہلی میں ان سے ملے تھے اور اپنے سفر نامے میں ان کا اور ان

کے کاموں کا ذکر کیا تھا مگر زینت الخواطر میں جو ان کے تذکرے کا محل تھی، انھیں بھول گئے۔

مولوی صاحب شاہ رفیع الدین کے نواسے کے پوتے تھے، شاہ رفیع الدین کی صاحب زادی لعلہ اللہ زوجہ نجم الدین تھیں ان کے دو صاحب زادے تھے، ایک مولوی سید نصیر الدین تھے جنھوں نے مشہد بالا کوٹ کے بعد معرکہ جہاد کو تازہ کیا اور سرحدی میں وفات پائی (۱۸۴۰ء)۔ دوسرے صاحب زادے سید ناصر الدین تھے ان کے صاحب زادے مولوی سید معز الدین تھے جن کے متعلق مرزا محمد بیگ لکھتے ہیں:

”الحال مولوی معز الدین صاحب از بنیرگان شاہ رفیع الدین دیگرے یافتہ

نمی شود حق تنہا لے در عمر وے برکت دہد“ ۳

ان مولوی معز الدین کے صاحب زادے مولوی سید ظہیر الدین احمد تھے جو ۱۸۷۷ء میں

پیدا ہوئے تھے۔

مولوی صاحب نے ایک مکتبہ جسے اس دور کی زبان میں ”دوکان اسلامیہ“ کا نام دیا اور ایک مطبع جسے انھوں نے شاہ ولی اللہ کے نام احمد پر مطبع احمدی سے موسوم کیا، جاری کئے۔ یہ مطبع اور مکتبہ نانپا چودھویں صدی ہجری کے آغاز میں جاری کر دیئے تھے۔ یوں کہ مطبع کی مطبوعات میں سے جن پر سال طبع کا اندراج ہے ان میں سے پہلی کتاب ”مجموعہ ارتداد و اوائل ہے جو ۱۳۰ھ / ۱۸۸۹ء میں طبع ہوئی تھی اس کتاب کے آخر میں انھوں نے اپنی گیارہ مطبوعات کی فہرست اور تفصیل دی ہے، ظاہر ہے کہ گیارہ کتابیں کم سے کم پانچ چھ سالوں میں طبع ہو سکی ہوں گی اس طرح ہم یہ قیاس کر رہے ہیں کہ مطبع چودھویں صدی ہجری کے آغاز میں قائم کیا گیا تھا، اس مطبع کی آخری کتاب جس کا مجھے علم ہے حسن الاقتباس ہے جو ۱۲۳۴ھ / ۱۹۰۴ء میں چھپی تھی اس طرح تقریباً ۲۵ سال مطبع جاری رہا اور اس عرصے میں اس کی ۲۵ مطبوعات میرے علم میں ہیں اور نظر سے گزری ہیں خیال ہے کہ یہ تعداد زیادہ ہوگی، ان ۲۵ کتابوں میں سے ۲ کتابیں خود مولوی صاحب کی تالیف ہیں (۱) یادگار دہلی (۲) حالات عزیز۔ ایک کتاب (الدر الثمین) خود مولوی صاحب کی ترجمہ کی

ہوئی ہے اور خود وضاحت کی ہے۔

”کتاب درمبین۔۔۔۔۔ جب اس کم ترین سید ظہیر الدین عرف سید احمد کی

نظر سے گزری۔۔۔ اس کا اقتضایہ ہے کہ احباب میرے ہم زبان اور لسان

سرور کون و مکان سے نا آگاہ ہیں اس تحفے میں وہ بھی میرے شریک ضرور

ہوں۔۔۔۔۔ اس لیے اس کا اردو ترجمہ مناسب جانا“

باقی کتابوں میں سے جیسے کتابیں مترجم ہیں مگر ان کے مترجم کی وضاحت نہیں ہے کہ

مولوی صاحب کی ہیں یا کسی اور عالم کی۔ ایک کتاب (تحقیق انرویا) کے متعلق یہ بھی وضاحت ہے

کہ مولوی صاحب نے اس کا ترجمہ خود نہیں کیا، کروایا ہے اور معاوضہ دے کر کروایا ہے۔ لکھتے ہیں:

”مگر ساتھ ہی یہ بھی خیال تھا کہ اگر اردو میں ترجمہ بھی ہو جائے تو بہت

خوب ہے۔۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے کمال فضل سے

میری آرزو پوری کی اور مجھ کو اس کے ترجمہ کرانے اور اس پر روپیہ صرف

کرنے کی اور پھر طبع کرنے کی توفیق دی۔“

مطبع احمدی کی ان ۲۵ مطبوعات کی فہرست درج ذیل ہے:

(۱) الطاف القدس

(۲) سطعات مع الجزء اللطیف

(۳) مکتوبات مع فضیلت امام بخاری وابن تیمیہ

(۴) سعادت کونین (ترجمہ فیوض الحرمین) محرم ۱۳۰۸ھ

(۵) الدر الثمین مترجم

(۶) مجموعۃ الارشاد واولیٰ و تراجم ابواب بخاری و ما یجب حفظہ لکھنؤ

(۷) تاویل الاحادیث مترجم

(۸) حوامح

(۹) مجموعہ فتاویٰ شاہ عبدالعزیز

(۱۰) بحالہ کاغذ

(۱۱) حسن العقیدہ (اعتقادنامہ) حیرم

(۱۲) وحید شاہ مع رسالہ دانش مندی حیرم

(۱۳) انقاس العارفین

(۱۴) مکتوبہ لدنی

(۱۵) انتخاب فی سلاسل اولیاء اللہ

(۱۶) تلمذہ مندی از شاہ اہل اللہ

(۱۷) تلمذہ یونانی شاہ اہل اللہ

(۱۸) انقاس رحیمیہ (مرتبہ شاہ اہل اللہ)

(۱۹) مجموعہ رسا کل شاہ رفیع الدین

(۲۰) عزیز الاقباس ترجمہ مولوی نظام الدین کیرانوی ۱۳۴۲ھ/۱۹۰۲ء

(۲۱) مناقب فخریہ (نوائے غازی الدین خلیل) ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۸ء

(۲۲) یادگار دہلی ۱۹۰۳ء

(۲۳) حالات عزیزی

(۲۴) تحقیق الروایا

(۲۵) ارشد رحیمیہ ۱۳۴۱ھ/۱۹۰۳ء

مولوی صاحب نے یہ مطبع چلنے اپنے ہی مکان کا کمر کھینچ کر تھانہ ابراہیم کا پتہ لکھا جاتا تھا

”عقب کار میں“ لکھنے کے بعد مزید کلاں کی دوکان نمبر ۹ کے اگلی منزل پر گیا تھا۔

مولوی صاحب کا دوسرا قاش قدر کا مہینہ جانا تھا جس کا کوئی تھکا ہوا ہے۔ مدرسہ غالباً

۱۳۱۸ھ/۱۸۹۵ء میں جب مولوی سید عبدالغنی ن تے تھے، بنو چکا تھا۔ مولوی صاحب

نے کس دلوں اور جذبے سے یہ مدرسہ جاری کیا تھا اس کا اندازہ ان کی اس تحریر سے ہوتا ہے جو انھوں نے فیوض الحرمین کے خاتمے کے طور پر لکھی تھی۔

”جب سے حضرت مولانا محمد اسحاق ملاح دہلوی بیت اللہ ہجرت فرما گئے اور مولوی مخصوص اللہ خلیفہ مولانا شاہ رفیع الدین صاحب کا انتقال ہو گیا مدرسہ کہنہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ کا تحفینا چالیس سال سے غیر آباد پڑا ہے اگرچہ اولاً مولانا شاہ رفیع الدین مدوح سے چند حضرات وارث حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب اور حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کے تھے مگر مدرسہ موقوفہ میں بڑا بر سکونت پذیر رہے مگر بوجہ جاری نہ ہونے سلسلہ تدریس کے اکثر احباب اور متوسلین خاندان کو معلوم بھی نہ رہا کہ اولاً حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی ان کے قدیم مسکن و درس گاہ میں رہتی ہے اس اثنا میں مکان مدرسہ بھی غدر میں منہدم ہو گیا بعد اس عرصہ منہدم کے مسبب الاسباب نے دھوپ تعمیر اور آبادی اس مدرسہ مذکورہ کا جو درحقیقت منبع علم وین ہندوستان میں ہے اس حکم ترین کے دل میں ڈالیا تو بے ہوش تھے دن رات اس کی آبادی کی کوشش میں ہوں اور شب و روز عجیب الدعوات سے دست بدعا ہوں کہ اے قاضی الحاجات اس اجڑے ہوئے چمن کو دوبارہ سرسبز کر دے اور جو نام مفقود ہوا جاتا ہے اس کے باقی رہنے کی کوئی تدبیر کر اور اس میں سلسلہ درس و تدریس جاری کر اور اس مدرسہ موقوفہ کو مثل ہر مدرّس اسلامی کے کہیں سے کچھ کفاف حقیر نہیں دے اور خاص یہ شہر تو سر پرستی باہن سے خالی ہو گیا ہے اور میرے پاس تو ساری اس قدر سرمایہ نہیں ہے کہ سلسلہ درس و تدریس کا شروع کروں اور طلبہ کی تعلیمات کر سکوں تو دل لے چاہتا کہ اس خیریت ہے بہا کو جو مدرسہ دار اسے

محفوظ چلا آ رہا ہے نکالنے اور حلیہ طبع سے جلادے کر جو ہریان بازار معانی
کو دکھائیے قدرے تردد برطرف ہوا تو اس کم ترین نے یہ چند رسالے لکھنے
نکالے حلیہ طبع سے آراستہ کر کے ہدیہ شائقین کئے (اس کے بعد اپنی
گیارہ مطبوعات کی فہرست دی ہے) اور ایک کتب خانہ اور مطبع برائے
اعانت مدرسہ موصوفہ کے جاری کیا۔“

اس تحریر کی بنا پر یہ جا سکتا ہے کہ مولوی صاحب نے ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۰ء میں کسی نہ کسی
پیمانے پر اور کم سے کم نام کی حد تک مدرسے کی تجدید کی تھی۔

مولوی صاحب نے مدرسے کا نام مدرسہ عزیزی رکھا تھا اور مطبع کو بھی وہ التزام کے
ساتھ ”مطبع احمدی متعلقہ مدرسہ عزیزی“ لکھتے تھے، کتب خانے کا نام ”دوکان اسلامیہ“ تھا اور وہ
ابتدا میں گھر پر ہی تھا اس کا پتہ کلاں محل اور کبھی کبھی ”عقب کلاں محل“ لکھتے تھے مثلاً سب سے پہلی
کتاب الطاف القدس پر یہی لکھا تھا مگر بعد میں دوکان ۱۷۹ اور یہ کلاں کا پتہ شائع ہونے لگا۔

ابتدا مولوی صاحب یہ کام تنہا ہی چلاتے رہے اور اپنے نام کے ساتھ مہتمم یا مالک مطبع
احمدی و دوکان اسلامیہ ہی لکھ کر دیتے تھے مگر چند سال کے بعد اشتہارات میں واحد کے بجائے تثنیہ
کا صیغہ استعمال ہونے لگا اور مالک سے ”مالکان“ ہو گئے۔ مولوی صاحب کے یہ شریک کار مولوی
عبدالغنی کلیسی تھے، مولوی عبدالغنی غالباً ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۳ء میں شریک ہوئے تھے اور ان کا نام پہلی بار
مولوی صاحب کے نام کے ساتھ اختیاراتی سلاسل اولیاء اللہ کے خاتے میں آیا ہے جو ۱۳۱۱ھ میں طبع
ہوئی تھی۔

مولوی صاحب کی تیسری اہم خدمت یہ ہے کہ انھوں نے نہ صرف یہ کہ اپنے اسلاف
کرام کی کتابیں شائع کیں بلکہ ایک مہربان حضرات کے خلاف چلائی جو اپنے افکار و نظریات کی
اشاعت کے لیے شاہ ولی اللہ اور ان کے اخلاف کا نام استعمال کر رہے تھے اور ان بزرگوں کی طرف
وہ کتابیں منسوب کر رہے تھے جو درحقیقت ان کی نہیں تھیں یا ان کی کتابوں میں وہ اپنی طرف سے

اضافات کر رہے تھے، مولوی صاحب نے پہلے تاویل الاحادیث کے خاتمے میں لکھا:
 ”آج کل بعض لوگوں نے بعض تصانیف کو اس خاندان کی طرف منسوب
 کر دیا ہے اور درحقیقت وہ تصانیف اس خاندان میں سے کسی کی نہیں اور
 بعض لوگوں نے جو ان کی تصانیف میں اپنے عقیدے کے خلاف پائی تو
 اس پر حاشیہ جزا اور موقعہ پایا تو عبارت کو تغیر تبدیل کر دیا، تو میرے کہنے سے
 یہ عرض ہے کہ جواب تصانیف ان کی جھپیں تو اچھی طرح اطمینان کر لینا
 چاہیے جب خریدی جائیں۔“

اس کے بعد انفاص العارفین کے آخر میں التماس ضروری کے عنوان سے لکھا:
 ”فی زماننا الدنيا زور ولا يحصلها الا بالزور تو بعض حضرات نے
 کمر باندھی ہے اور دنیا کمانے کے واسطے حضرات موصوفین کی طرف اکثر
 کتابیں منسوب کر کے چھاپ دی ہیں جو کسی طرح ان حضرات کی کتابوں
 میں نہیں ہیں اور ارباب بصیرت ان کو پڑھ کر ان کے عیب اور مفاسد کو اس
 طرح جان لیتے ہیں جس طرح ایک تجربہ کار نقاد کھونے کو کسوٹی پر لگا کر
 پہچان لیتا ہے مگر لٹجوائے العوام کا لاتعام بیچارے اردو پڑھنے والے علم سے
 بے بہرہ لوگ اکثر ان جعلی اور مصنوعی رسائل کو پڑھ کر ضلالت اور گمراہی
 میں مبتلا ہوتے ہیں اس واسطے میرا فرض ہے کہ میں ان رسائل کے نام اس
 کاغذ کو تاح میں لکھ دوں اور اپنے دین دار بھائیوں کو ارباب زمانہ کی گندم
 نما جو فروشی سے آگاہ کر دوں آگے اس پر عمل کرنا نہ کرنا ان کا فعل ہے۔“

منت انچی حق بود گفتم تمام

تو دانی دگر بعد ازیں والسلام

اور جعلی اور مصنوعی رسائل یہ ہیں:

(۱) تحفہ الموحدين مطبوعہ اکل الطابع دہلی منسوب بہ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب۔

(۲) بلاغ الامین مطبوعہ لاہور منسوب بہ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب۔

(۳) تفسیر موضح القرآن مطبوعہ خادم الاسلام دہلی منسوب بہ طرف مولانا شاہ عبدالقادر صاحب مرحوم۔

(۴) المخطوطات مطبوعہ میرٹھ منسوب بہ طرف حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز۔

مولوی صاحب کی تصانیف (یادگار دہلی اور حالات غریزی) کے علاوہ ان کے دو مضمون بھی قابل ذکر ہیں: (۱) شاہ ولی اللہ پر ایک مضمون جو تاویل الاحادیث کے آخر میں شائع ہوا ہے اور کئی نئی معلومات پر مشتمل ہے۔ اس مضمون کی بنا پر مجھے یقین ہے کہ القول الجلی مولوی صاحب کے مطالعہ میں تھی (۲) شاہ اکل اللہ پر ایک مختصر مضمون جو تکرار ہندی کے آخر میں شائع ہوا تھا اور جو شاہ اکل اللہ پر ایک اولین اور معتبر خاکہ ہے۔

مولوی صاحب کی کتاب یادگار دہلی پر دہلی کے مشہور بزرگ اور مصنف خواجہ ناصر دیر فراق دہلوی نے جو تقریباً نصفی دو درج ذیل ہے:

مولوی صاحب حمد و تحسین ایک ذی علم اور لائق خاندان سے منسوب ہیں جس میں صد ہا سال سے تصنیف و تالیف کا مشغلہ چلا آتا ہے۔۔۔ آپ مولانا شاہ رفیع الدین کے تواسے اور شاہ عبدالعزیز کے سچے جانشین ہیں اور یہ ائمہ علم و نسب شاہ صاحب کے خاندان میں آپ ہی باقی ہیں آپ شاہ صاحب کے ایک لائق یادگار ہیں آپ نے شاہ صاحب کا نام روشن کر دیا ہے، شاہ ولی اللہ۔۔۔ وغیرہ حضرات کی کتابوں کو جن کا ہم نام ہی بنا کرتے تھے، چھاپ کر آپ نے ہندوستان سے ایران، ایران سے عرب اور شام تک پھیلایا ہے۔۔۔

نام و در مصنف مولانا اسلم جے راج پوری لکھتے ہیں:

”مجھے یاد ہے کہ ۱۹۱۰ء میں مولانا عبدالحق محدث دہلوی کے خاندان میں

ایک شادی ہو رہی تھی جس میں شرکت کے لیے میں دہلی آیا تھا اس وقت

ایک شخص سید احمد نامی جو اپنے آپ کو ولی اللہی کہتے تھے، مجھ سے ملے تھے

ان کا قد چھوٹا اور داڑھی لمبی تھی وہ ان کتاب یعنی صحیفات کو شائع کرانے

کی فکر میں تھے اس کے چار جز چھپے ہوئے تھے، مجھے دکھائے تھے اس کے

دو نسخہ دے دیے تھے کہ وہ ان کو منتقل کر کے اب جہاں تک مجھے معلوم ہے شاہ

راستہ طلب کی کوشش نہ کرے۔“ (نوادر، کراچی ۱۹۵۱ء ص ۱۶۲)

سید احمد نے مولانا اسلم جے راج پوری سے کہا کہ وہ ان کو منتقل کر کے اب جہاں تک

مجھے معلوم ہے شاہ راستہ طلب کی کوشش نہ کرے۔“ (نوادر، کراچی ۱۹۵۱ء ص ۱۶۲)

(۱) مولانا قادیانی نے ۱۸۹۲ء میں چھاپا ہے اس کے ٹھیک ایک سال بعد صاحب زہد الخواطر نے

آستانہ قادیانی پر غاصری دی ہے تو پھر گیارہ سال کی حیثیت ہے مولوی معز الدین کے بیٹے مولوی سید احمدی ان

سے ملے تھے، ممکن ہے ۱۸۹۲ء کے درمیان انتقال ہو گیا ہو۔

(۲) واقعات دار الحکومت دہلی ۵۵۹

(۳) الدرا اللہین مترجم علی احمد علی دہلی

یہ کتاب مولانا سید احمد جے راج پوری نے مولانا سید احمد جے راج پوری سے

میں دہلی میں مولانا سید احمد جے راج پوری سے مولانا سید احمد جے راج پوری سے

میں دہلی میں مولانا سید احمد جے راج پوری سے مولانا سید احمد جے راج پوری سے

میں دہلی میں مولانا سید احمد جے راج پوری سے مولانا سید احمد جے راج پوری سے

میں دہلی میں مولانا سید احمد جے راج پوری سے مولانا سید احمد جے راج پوری سے

میں دہلی میں مولانا سید احمد جے راج پوری سے مولانا سید احمد جے راج پوری سے

مولوی سید عبدالغنی

خاندان ولی اللہی کا ہر خادم اس کا مستحق ہے کہ ہم اس کے احوال و سوانح کا تجسس کریں اور جہاں جہاں جو کچھ مل جائے اس کو جمع کر دیں مولوی سید ظہیر الدین احمد سے بھی ہمیں ان کی ان خدمات کی بنا پر عقیدت ہے اور مولوی سید عبدالغنی بھی ہم سے اس محبت و ارادت کے متقاضی ہیں مگر افسوس ہے کہ ہم ان کے احوال سے زیادہ واقف نہیں ہیں ہمیں اب تک صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ مولوی سید احمد کے ہم شیر زادے تھے اور مولوی سید محمد کے فرزند تھے، انہیں بیک وقت دور جاں علم و تقویٰ شاہ ولی اللہ اور شاہ کلیم اللہ سے نسبت تھی اسی لیے وہ اپنے نام کے ساتھ ولی اللہی لکھی لکھا کرتے تھے اور شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی کے متولی اور سجادہ نشین تھے۔ چند سال اپنے ماموں مولوی سید احمد کے ساتھ بزرگوں کی تالیفات کی اشاعت میں شریک رہے اور مولوی سید احمد کے وصال کے بعد عرصے تک تنہا یہ خدمت انجام دیتے رہے، کئی رسائل و کتب کے دوسرے ایڈیشن شائع کئے مطبع احمدی بند کر دیا اور دوسرے مطابع سے کتابیں چھپوانے لگے۔

مولوی سید عبدالغنی کی شائع کردہ حسب ذیل کتابوں تک ہماری رسائی ہوئی ہے:

(۱) مقیمات الہیہ حصہ اول

(۲) تحقیق الروایا (بار دوم)

(۳) انتہاء فی سلاسل اولیاء اللہ (بار دوم)

(۴) الدر الثمین (بار دوم)

مولوی سید عبدالغنی سنہ ۱۹۱۳ء تک حیات تھے، کیوں کہ مولوی سید محمد امام عید گاہ شاہی دہلی نے اس سال اپنے صاحب زادہ حافظ طاہر حسن کو اپنا جانشین بنایا تھا تو اس تقریب میں دستار امامت مولوی سید عبدالغنی نے باندھی تھی (الرحیم حیدر آباد سندھ، مارچ ۱۹۶۸ء پروفیسر عبدالرشید ارشد)

(۱) مولوی سید عبد اللہ (رحمۃ اللہ علیہ) (۱۲۰۱ھ)

(۲) مولوی سید عبد اللہ (رحمۃ اللہ علیہ) (۱۲۰۲ھ)

(۳) مولوی سید عبد اللہ (رحمۃ اللہ علیہ) (۱۲۰۳ھ)

مولوی سید عبد اللہ

شاہ ولی اللہ اور ان کے اصحاب سلسلہ کے ادبیات کی اشاعت میں جن افراد کا حصہ ہے ان میں مولوی سید عبد اللہ کا نام نمایاں ہے بلکہ ان کو اولیت کی فوقیت بھی حاصل ہے۔

مولوی سید عبد اللہ کے والد سید بہادر علی تھے اور سوانہ (پنجاب) کے رہنے والے تھے مگر عرصے سے کلکتے میں مقیم تھے۔ مولوی صاحب ایک صاحب استعداد عالم دین تھے ملک کے علما خصوصاً ولی اللہی سلسلے کے علما سے ان کے روابط تھے مثلاً شاہ محمد اسحاق دہلوی، مولوی عبدالحی بڑھانوی، مولوی حسن علی لکھنوی وغیرہ۔ ۱۸۲۲ء میں جب سید احمد شہید سمرج کے دور ان کلکتے پہنچے تو مولوی صاحب ان سے بیعت ہو گئے اور ان کے ہم سفر بھی ہو گئے، سمرج سے علم دین کی اشاعت کا عزم اور ولولہ لے کر لوٹے اور ۱۸۲۳ء میں ایک ٹائپ پریس خرید کر کتب و رسائل کی طباعت کا آغاز کر دیا، مطبع کا نام احمدی شاہ ولی اللہ کے نام کی نسبت سے رکھا تھا شاہ صاحب کا پورا نام احمد ولی اللہ تھا، یہ بھی ممکن ہے کہ اپنے مرشد سید صاحب کے نام کی نسبت سے رکھا ہو، کئی رسالوں اور کتابوں کے اصل متن ہی شائع کیے مگر کئی رسالوں کے اردو ترجمے بھی شائع کئے۔ یہ ترجمے خود مولوی صاحب نے کئے تھے، خود بھی قرآن کریم کی بعض سورتوں کی تفسیر (تفسیر مقبول) لکھی، اس کے علاوہ شاہ ولی اللہ، شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر، شاہ محمد اسحاق، سید احمد شہید کے رسائل کے ترجمے کئے۔

مولوی سید عبداللہ کا وصال ۱۲۶۵ھ/۱۸۴۸ء میں ہوا تھا۔

مطبع احمدی کی حسب ذیل مطبوعات ہمارے علم میں ہیں:

(۱) آداب الآخرت، شاہ رفیع الدین دہلوی کے قیامت نامے کا اردو ترجمہ

از سید عبداللہ ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۳ء

(۲) تنبیہ الغافلین کا اردو ترجمہ از سید عبداللہ ۱۲۳۳ھ/۱۸۲۷ء

(یہ کتاب شاہ رفیع الدین کی تالیف بتائی جاتی ہے)

(۳) رسالہ در حمایت تحریک مجاہدین۔ تحریک مجاہدین کے رکن مولوی محمد علی رام

پوری کے ایک مرید اور سفیر ایک سال تک کلکتے آکر رہے اور اتباع سنت اور رد بدعت میں

تقریریں کرتے رہے جس سے ایک طبقہ متاثر ہوا اور ایک طبقہ کے لیے یہ تقریریں وجہ

شکایت و اعتراض بن گئیں چنانچہ کلکتے کے افضل العلماء مولوی ارتضیٰ علی خاں سے استفادہ کیا

گیا، مولوی صاحب نے جو فتویٰ دیا وہ تحریک مجاہدین کے نظریات کے خلاف تھا۔

اس فتوے کے جواب اور تردید میں یہ رسالہ لکھا گیا ہے زبان فارسی ہے مگر افسوس

ہے کہ رسالے کے نام کا اول و آخر سے سراغ لگایا جاسکا نہ مصنف کے نام کا، اس رسالے کی

اہمیت یہ ہے کہ حادثہ بالاکوٹ سے قبل کی تصنیف اور طباعت ہے (۱۲۳۵ھ/۱۸۳۰ء)

صفحات ۱۲۲

(۴) موضح قرآن (ترجمہ قرآن کریم) از شاہ عبدالقادر دہلوی۔ مولوی سید

عبداللہ یہ ترجمہ جاز میں نقل کروا کے لائے تھے اور ۱۲۳۵ھ میں چھاپا تھا۔

(۵) تفسیر مقبول، مولوی سید عبداللہ کی اپنی تحریر ہے اس میں قرآن کریم کی بعض

سورتوں کی تفسیر ہے، ۱۲۳۰ھ/۱۸۳۳ء

(۶) مسلسلات، شاہ ولی اللہ کا رسالہ چہل حدیث کے نام سے معروف ہے،

ترجمہ مولوی سید عبداللہ نے کیا تھا، بعد میں اس کا ایک ترجمہ مولوی خرم علی بلہوری نے بھی

کیا تھا، مسلسلات تفسیر مقبول کے ضمیمے کے طور پر چھپا تھا۔

(۷) مسائل اربعین، ترجمہ از مولوی سید عبداللہ، سال طباعت ندارد (مسائل اربعین کی نسبت شاہ محمد اسحاق کی طرف کی گئی ہے مگر میرے خیال میں یہ نسبت صحیح نہیں ہے۔ ملاحظہ ”حیات شاہ محمد اسحاق“۔)

(۸) فتاویٰ ہندی، سوالات مع جوابات از مولوی سراج الدین ترجمہ از سید عبداللہ سال طباعت ندارد

(۹) المقالة الوضیہ فی النصیحۃ والوصیہ از شاہ ولی اللہ، یہ رسالہ وصیت نامے کے نام سے معروف ہے، اصل فارسی متن طبع ہوا ہے، سال طباعت ندارد۔

(۱۰) الفوز الکبیر فی اصول التفسیر از شاہ ولی اللہ فارسی متن

(۱۱) فتح الخیر از شاہ ولی اللہ، فارسی متن، سال طباعت ندارد

(۱۲) کشف الخیوان از غفور اعظم مجددی نقشبندی فاروقی، فارسی متن۔ صفحات ۴۰

سال طباعت ندارد (حیوانات کی حلت و حرمت کے موضوع پر)

”تفسیر فتح العزیز پارہ ۲۹، ۳۰ از شاہ عبدالعزیز، طباعت ۱۲۴۸ھ/۱۸۳۲ء“

مولانا عبدالحمید سواتی

شاہ ولی اللہ اور ان کے حلقہٴ اصحاب و اخلاف کے رسائل و کتب کی طباعت کا سلسلہ سب سے پہلے مولوی سید عبداللہ (ہوگلی کلکتہ) نے ۱۹ویں صدی عیسوی کے نصف اول میں شروع کیا تھا، اسی صدی کے آخری عشرے میں خاندان ولی اللہی کے ایک رکن مولوی سید ظہیر الدین ولی اللہی نے عزم کیا اور متعدد رسائل و کتب اور ان کے ترجمے شائع کیے۔

طلوع پاکستان کے بعد ایک اہم انفرادی کوشش مولانا عبدالحمید سواتی (مدرسہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ) نے کی، مولانا نے اولاً ان حضرات کے اب تک کی غیر مطبوعہ کتابوں اور رسالوں کی اشاعت پر توجہ کی ثانیاً چند رسائل پر فاضلانہ مقدمے بھی لکھے ثالثاً کتابوں کے ظاہر پر بھی توجہ دی، ان کی مطبوعات کا معیار طباعت و کتابت بھی بلند تھا۔

مولانا نے مدرسہ نصرۃ العلوم کے ادارہ نشر و اشاعت سے حسب ذیل کتابیں اور رسالے شائع کئے:

(۱) تکمیل الاذہان (عربی) از شاہ رفیع الدین دہلوی سال طباعت ۱۳۸۳ھ/

۱۹۶۵ء

تکمیل الاذہان اس لحاظ سے ابھی تک غیر مطبوعہ تھی کہ وہ اب تک کتابی شکل میں شائع نہیں ہوئی تھی ویسے نواب صدیق حسن خاں نے ابجد العلوم میں اس کے تین باب

بمختلف طور پر شائع کر دیئے گئے۔ (صفحہ ۱۲۷-۲۳۵-۲۳۱) مولانا نے مکمل کتاب (چاروں باب) شائع کی ہے۔

(۲) مقدمۃ العلم (عربی) از شاہ رفیع الدین دہلوی۔ صفحات ۶، یہ رسالہ بھی پہلے ابجد العلوم (ص ۲۳۱) میں شائع ہوا تھا۔ ۱۳۸۳ھ میں یہ تکمیل الاذہان کے ساتھ شائع کیا گیا۔

(۳) دانش مندی (فارسی) از شاہ ولی اللہ، صفحات ۵، سال اشاعت ۱۳۸۳ھ، یہ بھی تکمیل الاذہان کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔

(۴) تفسیر آیۃ النور از شاہ رفیع الدین دہلوی (عربی)۔ سال اشاعت ۱۳۸۲ھ / ۱۹۶۳ء، صفحات ۴۸

(۵) اسرار الحجۃ (عربی) از شاہ رفیع الدین، صفحات ۵۲۔ سال اشاعت ۱۳۸۲ھ / ۱۹۶۳ء

(۶) ولی اللہی صرف (صرف میر منظم) نظم فارسی، از شاہ ولی اللہ، صفحات ۱۶، تعداد اشعار ۱۷۸

(۷) مجموعہ رسائل شاہ رفیع الدین دہلوی، سال اشاعت ۱۳۸۱ھ / ۱۹۶۳ء

(۱) رسالہ اذان نماز، صفحات ۷

(۲) رسالہ فوائد نماز، صفحات ۶

(۳) رسالہ حملۃ العرش، صفحات ۱۴

(۴) شرح رباعیات، صفحات ۷

(۵) رسالہ بیعت، صفحات ۸

(۶) شرح برہان العاشقین، صفحات ۱۲

(۷) رسالہ ندو در بز رنگان، صفحات ۱۰

(۸) رسالہ شرح چہل کاف صفحات ۱۳

(۹) جوابات و سوالات اشعار عشر صفحات ۱۶

(۱۰) فتاویٰ ص ۲۰

(۸) الطاف القدس (فارسی) از شاہ ولی اللہ، صفحات ۱۶۲۔ سال اشاعت

۱۳۸۳ھ ترجمہ اردو از مولانا عبد الحمید سواتی

(۹) دغ الباطل از شاہ رفیع الدین

(۱۰) مجموعہ رسائل، حصہ دوم، شاہ رفیع الدین دہلوی

کتابیات

امیر الہدایات (حکایات اولیا) کراچی، سن ندارد
 ارشاد محمدی، شیخ محمد تھانوی، محبوب المطابع میرٹھ ۱۳۰۸ھ
 آثارالصنادید (تذکرہ اہل دہلی) سرسید احمد خاں، کراچی
 اصول فقہ حنفی (مشمولہ فتاویٰ عزیزی) شاہ عبدالعزیز ۱۳۱۱ھ
 انسان العین فی مشائخ الحرمین، شاہ ولی اللہ مطبع احمدی دہلی
 ابجد العلوم، نواب صدیق حسن خان، بھوپال ۱۲۹۶ھ
 بوارق العین، شاہ ولی اللہ، مطبع احمدی دہلی

تاویل الاحادیث، شاہ ولی اللہ، مطبع احمدی، دہلی
 تذکرہ خاندان عزیزی، از حکیم غل الرحمن
 تصنیف رنگیں، (مشمولہ وصایائے اربعہ) سعادت یار خاں رنگیں/محمد ایوب قادری،
 حیدرآباد، سندھ

تنبیہ الضالین، دہلی ۱۲۶۲ھ
 تکملہ ہندی، شاہ اہل اللہ، مطبع احمدی، دہلی
 تہافتہ الوہابیہ، مفتی عبدالحفیظ، آگرہ
 اشفاقۃ الاسلامیہ فی الہند، سید عبدالحی، بیروت ۱۹۵۸ء
 الجزء النطیف، شاہ ولی اللہ، مطبع احمدی، دہلی

جماعت مجاہدین، غلام رسول مہر، لاہور
 حیات ولی، رحیم بخش دہلوی، لاہور، ۱۹۵۵ء
 دافع الفساد و نافع العباد، پیر مرتضیٰ خاں رام پوری، مطبع محمدی، ٹونک
 دہلی اور اس کے اطراف سید عبدالحی، دہلی ۱۹۵۸ء

سوانح احمدی محمد جعفر تھامسری، کراچی
 سیف الجبار، مولانا فضل رسول بدایونی، لاہور

شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، خلیق احمد نظامی، دہلی ۱۹۶۰ء
 شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ، عبید اللہ سندھی

مجالہ نافعہ مع فوائد جامعہ، شاہ عبدالعزیز / عبدالعلیم چشتی، کراچی
 فضائل صحابہ و اہل بیت، شاہ عبدالعزیز / محمد ایوب قادری، لاہور
 فتاویٰ شاہ عبدالعزیز، مکتبائے دہلی ۱۳۱۱ء
 فیض عام، مولانا فضل رسول بدایونی
 فیوض الحرمین، شاہ ولی اللہ، مطبع احمدی دہلی

القول الجلی، شاہ محمد عاشق، پبلیٹی، دہلی ۱۹۸۹ء
 گلشن ہند، مزار علی لطف، حیدر آباد دکن، ۱۹۰۶ء
 ملفوظات شاہ عبدالعزیز، میرٹھ ۱۸۱۷ء
 مقالات طریقت، عبدالرحیم ضیا، حیدر آباد دکن ۱۲۹۲ھ
 منصب امامت، شاہ محمد اسماعیل

منظورۃ السعدانی احوال الغزاة والشہداء، جعفر علی بستوی، مخطوط، ٹونک
 مناقب فخریہ، نواب غازی الدین خاں، مطبع احمدی دہلی
 مخزن احمدی، سید احمد علی رائے بریلوی
 مرقاۃ البقیین، اکبر شاہ خاں نجیب آبادی، لاہور
 مقدمہ دراسات الملیب، مولانا عبدالرشید نعمانی
 مولانا محمد احسن ناتو نوی، ڈاکٹر محمد ایوب قادری، کراچی ۱۹۶۶ء
 ماخذ اسماء اربعہ، شاہ عبدالعزیز، (شمولہ فتاویٰ عزیزی)

۲ نادر کتبوبات شاہ ولی اللہ، ڈاکٹر ثار احمد فاروقی، دہلی
 نزہۃ الخواطر، سید عبدالحی، دکن
 وصیت نامہ، (البتالة الوضیة فی النصیحة والوصیة) شاہ ولی اللہ، مطبع احمدی، ہوٹلی
 وسایاے اربعہ، محمد ایوب قادری، حیدر آباد، سندھ
 واقعات دارالحکومت دہلی، بشیر الدین دہلوی، ۱۹۱۹ء
 یادگار دہلی، سید ظہیر الدین احمد ولی اللہی، دہلی ۱۹۰۳ء
 الیافع الجہنی، محسن تڑہتی ۱۳۳۹ھ
 تذکرہ خاندان عزیزی از حکیم ظل الرحمن

مطبوعات مکتبہ جامعہ لمیٹڈ ایک نظر میں

معاصرین و تعلقات مولانا ابوالکلام آزاد

- عبدالقوی دسنوی 60/-
 سرسید سے اکبر تک مرتبہ: شمیم حنفی/اسمیل احمد فاروقی 90/-
 سیاہ قام ادب مرتبہ: شمیم حنفی/اسمیل احمد فاروقی 40/-
 خامہ بگوش کے قلم سے مرتبہ: مظفر علی سید (زیر طبع)
 انجمنیں (نفسانی مضامین) عبد اللہ ولی بخش قادری 60/-
 جوہری سوچے خبری رہی (خودنوشت) ادا جعفری 200/-
 قلم اور قدم سید حامد 75/-
 جدید ادبی تحریکات ڈاکٹر سید حامد حسین 51/-
 مستقبل کی طرف (خطبات جلد تیس، استاد جامعہ ملیہ اسلامیہ)
 مرتبہ: خواجہ محمد شاہد/خالد کمال فاروقی 150/-
 مولانا ابوالکلام آزاد و فکر و نظر کی چند جہتیں
 پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی 60/-
 صحرائیں لفظ فضیل جعفری 90/-
 فارسی داستان نویسی کی مختصر تاریخ: ڈاکٹر موسیٰ محمد الدین 45/-
 انشاء غالب مرتبہ: رشید حسن خاں 60/-
 اردو ڈرامے کی تنقید کا جائزہ امیر ایم یوسف 45/-
 تاریخ نگاری قدیم و جدید رجحانات
 ڈاکٹر سید جمال الدین 51/-
 انداز گفتگو کیا ہے شمس الرحمن فاروقی (زیر طبع)
 دستک اس دروازے پر ڈاکٹر وزیر آغا 51/-
 سرسید یا دگاری خطبات مؤنس رضا/مسعود حسین خاں 10/-
 تنقید رشید حسن خاں 75/-
 اردو شاعری کی گیارہ آوازیں عبد القوی دسنوی 75/-
 کچھ مشرق سے کچھ مغرب سے نقی حسین جعفری 51/-
 شناس و شناخت انور صدیقی 60/-
 سائنس کی ترقی اور آج کا سماج ڈاکٹر سید عبود قاسم (زیر طبع)
 سیرت طیبہ میں سماجی انصاف کی تعلیم اختر الواسع 10/-
 حور بی اور باہلی تہذیب و تمدن مالک رام 75/-

ادب، تنقید، انشاء

- انکار و ذکر مرتبہ: اختر الواسع/فرحت احساس 175/-
 انتخاب مضامین غلیل الرحمن اعظمی (جلد اول)
 مرتبہ: پروفیسر شہریار 150/-
 انتخاب مضامین غلیل الرحمن اعظمی (جلد دوم)
 مرتبہ: شہریار 200/-
 البرونی اور جغرافیہ عالم مولانا ابوالکلام آزاد 80/-
 معلم تہذیب خواجہ غلام حسنین مرتبہ: اختر الواسع
 فرحت احساس 120/-
 سوالوں میں رنگ بھرے وہاب قصیر 100/-
 خلد خسرو (مضامین خسرو) مرتبہ: اختر الواسع 90/-
 صوفیا کا بھگتی راگ شمیم طارق 100/-
 ہندوستانی معیشت اور بین الاقوامی پس منظر علی محمد خسرو 45/-
 مولانا ابوالکلام آزاد، آزادی کی طرف: ضیاء الحسن فاروقی 280/-
 سرمایہ خیز (جلد اول) علی سردار جعفری 275/-
 اردو کا ابتدائی زمانہ شمس الرحمن فاروقی 150/-
 سرسید اور سین ٹینک سوسائٹی پروفیسر افتخار عالم خاں 150/-
 معماران جامعہ ظفر احمد نظامی 250/-
 چند باب کمال رحیم الدین کمال 250/-
 پانچ جدید شاعر حمید نسیم 210/-
 قاری سے مکالمہ شمیم حنفی 150/-
 اعلیٰ تعلیم (خطبات) ڈاکٹر ڈاکٹر حسین 120/-
 اردو زبان و ادب کے فروغ میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کا حصہ
 ڈاکٹر حفصہ امجدی 75/-
 فراق، دیار شب کا مسافر مرتبہ: پروفیسر شمیم حنفی 150/-
 بیاں اور اختر سعید خاں 44/-
 لفظوں کی آغوش میں ڈاکٹر سید حامد حسین 135/-
 تعبیر و تفسیر ڈاکٹر ظلیق انجم 135/-

36/-	انتظار حسین	علاؤتوں کا زوال	75/-	گر بچن چند دن	جام جہاں نما
14/-	مرتبہ: مالک رام	تذکرہ معاصرین دوم	45/-	اردو ناول میں عورت کا تصور	فہمیدہ کبیر
40/-	مرتبہ: مالک رام	تذکرہ معاصرین چہارم	75/-	اسرار خودی (فراموش شدہ اڈیشن)	شائستہ خاں
35/-	مرتبہ: پروفیسر گوپی چند نارنگ	لغت نویسی کے مسائل	51/-	صدیق الرحمن قدوائی	تاثر نہ کہ تنقید
	مرتبہ: ڈاکٹر محمد حسن	معاصر ادب کے پیش رو	51/-	ظاہر مسعود	یہ صورت گر کچھ خوابوں کے
6/-	پروفیسر علی محمد خسرو	اردو کی تہذیبی متنویت	51/-	ڈاکٹر اسلم پرویز	تحریریں
35/-	ڈاکٹر سلامت اللہ	تحلیل نفسی کے پیچ و خم	35/-	وزیر آغا	انشائیہ کے خدو خال
40/-	عس الرحمن فاروقی	اثبات نفی	(زیر طبع)	مالک رام	تذکرہ ماہ و سال
48/-	پروفیسر ممتاز حسین	نقد حرف	125/-	مشفق خواجہ	تحقیق نامہ
125/-	ڈاکٹر صفر امجدی	اکبر کی شاعری کا تنقیدی مطالعہ	51/-	سعید انظر چغتائی	سحر سے پہلے اور بعد
12/-	بیگم انیس قدوائی	نظرے خوش گزرے	51/-	پروفیسر آل احمد سرور	پہچان اور پرکھ
12/-	علی جواد زیدی	نگہ دور یاض	(زیر طبع)	عبدالغنی	اقبال کا نظریہ خودی
11/-	کبیر احمد چائسی	بازگشت	10/-	جمیل جالبی	قلندر بخش جرأت
21/-	آئندہ نارائن ملا	کچھ نثر میں بھی	(زیر طبع)	وارث علوی	جدید افسانہ اور اس کے مسائل
	ڈاکٹر مایہ حسین	انشائیات	27/-	قاسم علی نیشاپوری	تاریخ اودھ
10/-	ڈاکٹر یوسف حسین خاں	حسرت کی شاعری	33/-	ظہار انصاری	مولانا آزاد کا فنی سفر
22/-	فیاض احمد بدایونی	مسالک و منازل	60/-	ڈاکٹر وزیر آغا	تنقید اور جدید اردو تنقید
16/-	پروفیسر محمد مجیب	نگارشات	51/-	مالک رام	کچھ مولانا آزاد کے بارے میں
24/-	پروفیسر فیض بخش	کہانی کے پانچ رنگ	75/-	مولانا ابوالکلام آزاد	لسان الصدق
15/-	فیاض ماسن فاروقی	جدید ترکی ادب کے ارکان تلاش	48/-	پروفیسر عنوان چشتی	اردو میں کلاسیکی تنقید
	آل احمد سرور	نظر اور نظریے	40/-	پروفیسر حامد ی کا شمیری	تفہیم و تنقید
90/-	آل احمد سرور	سرت سے بصیرت تک	101/-	مرتبہ: مالک رام	نذر بخار
60/-	آل احمد سرور	تنقید کیا ہے	60/-	مالک رام	تحقیقی مضامین
36/-	داؤد رہبر	ہاتھیں کچھ سریلی	(زیر طبع)	مجیب رضوی	خسرو نامہ
40/-	مرتبہ: سید عظیم الدین مدنی	اردو ادب	75/-	عس الرحمن فاروقی	تھکھہ السرور
4/50	خواجہ غلام حسنین	روح تہذیب	45/-	مرتبہ: مظفر حسنی	جائزے
15/-	پروفیسر نیاز احمد فاروقی	دراسات	25/-	صدیقہ بیگم	نقد بجنوری
21/-	شاہ عبدالسلام	دبستان آتش	15/-	ڈاکٹر محمد حسن	ادبی سماجیات
			(زیر طبع)	غلام ربانی	الفاظ کا سراج
			15/-	محمد ہدایت اللہ	تقریر و تعبیر
			(زیر طبع)	عس الرحمن فاروقی	افسانے کی حمایت میں

